www.muftiakhtarrazakhan.com
0092 303 2886671 /makhtarraza1011

www.muftiakhtarrazakhan.com
0092 303 2886671 /makhtarraza1011

Tajushshariah Foundation, Karachi, Pakistan

# حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

**تعارف**: اللہ تعالیٰ نے عرب کے باشندوں پر خصوصی اور پوری دنیا پر عمومی کرم فرمایا کہ اس نے امیوں کے درمیان امامِ کائنات کو مبعوث فرمایا، بخت کے ان تاجوروں کا کیا کہنا جو نبی رحمت کے دامن الفت سے لپٹ گئے، یا خود نبی امت نے آگے بڑھ کر انہیں شامیانہ رحمت کے تلے کھینچ کر آتشِ جہنم سے بچالیا تھا، تھے وہ کسی زمانہ میں بدکردار، اب وہ معلم کائنات کی صحبت سے فیضیاب تھے، کردار ساز تھے، عشق ومحبت کا آبشار تھے، ان کے سینے خوفِ خدا سے معمور، قول کے سچے، عہد کے پکے، ان کا ظاہر عمدہ، اور باطن عمدہ تر تھا، تھے وہ کسی زمانہ میں جاہل، اجڈ اور گنوار، اب تو وہ علم وعرفان کے بحر ناپیدا کنار میں غوطہ زن تھے، انہوں نے اس سمندر میں اس کثرت سے غوطہ خوری کی کہ وہ خود حکمت ودانائی کے دریا بن گئے، ایسے دریا کہ زمانہ اس کی پیمائش کرنے سے عاجز تھا، اخلاق ریشم سے زیادہ نرم ہو چکا تھا، ان کی ذاتیں شب دیجور میں ستارہ تھیں۔ تھے وہ کسی زمانہ میں بے حیا، فحش گو اور بدزبان، اب تو وہ کان حیا کے پڑوسی اور تلامذہ تھے ان سے بے حیائی دور تھی وہ بے حیائی سے نفور تھے ان میں سے بعض تو حیا کی چوٹی پر پہنچ گئے تھے، انسان تو رہے انسان فرشتے بھی ان سے حیا کرتے تھے۔ یہ ہیں عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جو حضور کے ایسے منظور نظر ہوے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے یکے بعد دیگرے اپنی دولخت جگر نور نظر بیٹیاں ان کے عقد سے منسلک کردیں، ذوالنورین سے

ملقب ہوے، اسلام کے سخی اعظم بنے، جاہز جیش عسرت کہلاے اور زبان نبوت سے جنتی اور شہید جیسے باوزن القاب پاے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے اتفاق واتحاد، محبت ومؤدت عفوودرگذر اور ایثار وقربانی کی ایسی تعلیم پائی کہ خود شہید ہو گئے لیکن مسلمانوں کے درمیان خوں ریزی کو پسند نہیں فرمایا، جن کی دولت نے نہ جانے کتنی مرتبہ اسلام کو سہارا دیا، مسلمانوں کی آبرو بچائی اور ان کی غم خواری فرمائی، بعض مرتبہ تو ان کی فیاضی پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے بحر رحمت میں تلاطم برپا ہو گیا اور آپ نے ان کے مستقبل کی ضمانت لیتے ہوے فرمایا: اب عثمان جو چاہیں کریں اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا ہے۔

**نام ونسب:** آپ کا نام عثمان ہے، نسب نامہ اس طور پر ہے عثمان بن عفان بن ابوالعاص بن امیہ بن عبدالشّمس بن عبدمناف قرشی اموی پانچویں پشت حضرت عبدمناف پر جاکر ان کا سلسلہ نسب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے مل جاتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کا نام اروی بنت کریز ہے، آپ کی نانی ام حکیم البیضاء ہیں، ام حکیم اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے والد حضرت عبداللہ دونوں جڑواں پیدا ہوے، اس رشتہ سے حضرت عثمان کی والدہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

(الاصابہ ج ۴،ص: ۲۲۳، اسدالغابہ ج ۳،ص: ۵۷۸، تاریخ الخلفاص: ۱۱۸ تا ۱۱۹)

**پیدائش وکنیت:** صحیح قول پر آپ کی پیدائش واقعہ فیل کے چھ سال بعد ہوئی۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ اور ابوعمرو ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اس کی تفصیل یوں بیان فرمائی کہ زمانۂ جاہلیت میں آپ کی کنیت ابوعمرو تھی اسلام لانے کے بعد جب حضرت رقیہ کے شکم اطہر سے حضرت عبداللہ پیدا ہوے تو آپ کی کنیت ابوعبداللہ مشہور ہو گئی۔

(تاریخ الخلفاص: ۱۱۹)

**حلیۂ مبارکہ:** آپ نہ بہت لمبے تھے نہ پست قد بلکہ آپ کا قد میانہ تھا، چہرہ

خوبصورت، رنگ گوراسرخ رنگت لیے ہوے، چہرے پر چند چیچک کے نشان تھے، داڑھی مبارک گھنی، ہڈیاں چوڑیں، کاندھے کشادہ، پنڈلیاں بھری ہوئی، ہاتھ لمبے جن پر بالوں کی کثرت تھی، بال گھنگھرالے، دانت بہت زیادہ خوبصورت سونے کے تار سے بندھے ہوے تھے، کنپٹی کے بال کانوں تک تھے، آپ پیلے رنگ کا خضاب استعمال فرماتے تھے۔(تاریخ الخلفاص:۱۱۹)

''البدایہ والنہایہ ج ۱۰، ص: ۳۲۸ میں ہے "**وقیل کان فی وجهه شی ء من آثار الجدری**" کہا گیا ہے کہ ان کے چہرے پر چیچک کا کچھ اثر تھا اس سے سمجھ میں آتا ہے چیچک کے اثر والا قول ضعیف ہے اور اگر صحیح بھی تسلیم کرلیا جاے تو لفظ شی بتا رہا ہے کہ چہرۂ مبارکہ پر ایک آدھ نشان تھا جس سے حسن پر کچھ اثر نہیں پڑتا بلکہ بسا اوقات حسن اور دوبالا ہوجاتا ہے۔

**یکتاے روزگار حسن**: مذکورہ بالا تشریح کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ جس انسان کے چہرے پر چیچک کے نشان ہوں اس کے حسن میں کمی آجاتی ہے حالاں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاملہ ایسا نہیں بلکہ آپ تو حسن میں یکتاے روزگار تھے۔

حضرت موسیٰ بن طلحہ فرماتے ہیں "کان عثمان بن عفان اجمل الناس"، حضرت عثمان لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت تھے۔

حضرت عبداللہ بن حزم مازنی فرماتے ہیں: میں نے حضرت عثمان سے زیادہ خوبصورت انسان نہیں دیکھا، نہ مردوں میں اور نہ ہی عورتوں میں۔

حضرت اسامہ بن زید فرماتے ہیں: مجھے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک برتن میں گوشت دے کر حضرت عثمان کے گھر بھیجا میں نے دیکھا کہ حضرت رقیہ بنت رسول اللہ جلوہ بار ہیں اور حضرت عثمان بھی موجود ہیں کبھی میں حضرت رقیہ کو دیکھتا اور کبھی حضرت عثمان کی طرف نظر کرتا جب واپس ہوا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

کیا تم گھر کے اندر داخل ہوئے تھے؟ میں نے عرض کیا: ہاں یارسول اللہ! پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھ سے پوچھا"ھل رأیت زوجا احسن منھما"اے اسامہ! کیا تم نے ان دونوں سے زیادہ خوبصورت میاں بیوی دیکھے ہیں؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان دونوں سے زیادہ خوبصورت شوہر و بیوی میری آنکھوں نے نہیں دیکھے۔

فقیہ ملت حضرت مفتی جلال الدین امجدی علیہ الرحمہ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''غالباً یہ واقعہ آیتِ حجاب نازل ہونے سے پہلے کا ہے''(خطبات محرم ص:۱۵۱)

**حضور جانتے ہیں**: مختصر تاریخِ دمشق میں یہ ایمان افروز روایت قدرے تفصیل سے درج ہے جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہدیہ لے کر اسامہ کو حضرت عثمان کے پاس بھیجا حضرت اسامہ تاخیر سے آئے اس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اے اسامہ! تاخیر سے کیوں واپس آئے ہو؟ حضرت اسامہ کچھ جواب دیتے اس سے پہلے ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تم چاہو تو میں خود ہی تمہارے تاخیر سے آنے کا سبب بیان کر دیتا ہوں پھر غیب داں نبی نے فرمایا: تمہاری تاخیر سے آنے کی وجہ یہ ہے کہ تم ایک نظر حضرت عثمان کو دیکھتے تھے اور ایک نظر میری لختِ جگر رقیہ کو دیکھتے کہ ان دونوں میں کون زیادہ خوبصورت ہے حضور کا بیان سن کر حضرت اسامہ نے عرض کیا یارسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے بے شک اسی چیز نے مجھے روکے رکھا تھا۔ (مختصر تاریخِ دمشق تذکرۃ عثمان بن عفان)

اس روایت کو علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں ذکر فرمایا ہے۔(ایضاً ج ۴،ص:۲۲۳)

**خاندانی وجاہت وعام حالات**: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاندان ایام جاہلیت میں غیر معمولی اہمیت واقتدار کا حامل تھا، آپ کے جدِ اعلیٰ امیہ بن عبد شمس رؤسائے قریش میں سے تھے۔ خلفائے بنی امیہ، امیہ بن عبد شمس کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے اموی کہلائے۔ ابوسفیان بن حرب جنہوں نے قبول اسلام سے پہلے عام غزوات میں

رئیس قریش کی حیثیت سے لشکر قریش کی قیادت کی، اموی تھے۔ غرض یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خاندان شرافت ریاست اور غزوات کے اعتبار سے عرب میں نہایت ممتاز تھا اور بنو ہاشم کے بعد کوئی اور خاندان شرافت وسیادت میں آپ کے خاندان کا ہم پایہ نہ تھا۔ اہل عرب کے عام معمول کے برعکس انہوں نے بچپن میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا اور عہد شباب میں کاروبار شروع کر دیا اور اپنی فطری صداقت، دیانت، اور نیک روش کے باعث غیر معمولی شہرت حاصل کی۔ (مقالات سعیدی ص: ۱۹۳)

**قبولِ اسلام:** آپ سابقین اولین میں شامل ہیں بلکہ حضرت ابن اسحاق کی روایت کے مطابق آپ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی، اور حضرت زید بن حارثہ کے بعد ایمان لانے والے چوتھے مسلمان ہیں۔ (تاریخ الخلفاص: ۱۱۹، اسد الغابہ ج ۳، ص: ۵۷۸)

اس تفصیل کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ اس وقت ایمان لائے جو اسلامی دعوت کا بالکل ابتدائی دور ہے اور ماحول اتنا خطرناک کہ کلمہ پڑھنا لوہے کے چنے چبانے سے زیادہ بھاری اور دشوار کام ہے مگر توفیقِ خداوندی جس کی حمایت کرتی ہے اس کے لیے سارے مراحل بالکل آسان ہو جاتے ہیں۔ حالات کی ناسازگاری، زمانہ کا نامساعد رویہ، مخالفین کے حملے اور دشمنوں کی یلغار بھی انسان کو اس کے مقصد میں کامیاب ہونے سے نہیں روک پاتی۔ عالم پر کفر و شرک کی گھٹا ٹوپ تاریکیاں چھائی ہوئی ہیں، چاروں طرف باطل پرستی کا دور دورہ ہے، اچانک افق عالم پر آفتابِ ہدایت جلوہ گر ہو گیا ہے، لوگوں نے آفتابِ ہدایت کی کرنوں سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے گھروں کی سخت حد بندی اور ناکہ بندی کر رکھی ہے کہ اس ہدایت کی کوئی کرن ان کے ظلمت کدوں کو ضیاء خانوں میں تبدیل نہ کر دے مگر پھر بھی ہدایت کی کرنیں حدود و قیود کے دبیز پردوں سے چھن چھن کر اہل مکہ کو فیضیاب کر رہی ہیں۔ انہیں حالات میں عثمان ایک دن اپنی خالہ سعدی بنت کریز کے گھر جا پہنچے، عثمان کی خالہ قوم کی کاہنہ بھی تھی، ان کی خالہ نے چند اشعار گنگنائے جن میں عثمان کے لیے کئی چیزوں کی بشارت تھی۔ خصوصیت کے ساتھ شر سے بچنے اور خیر کو پالینے کا مژدہ

جانفزا تھا اور عظیم الشان انسان کی بیٹی سے ان کا نکاح بھی اس بشارت کا حصہ تھا، جب حضرت عثمان نے اپنی خالہ سے ان کے ذریعہ کہے گئے اشعار پر تبصرہ چاہا تو سعدی بنت کریز نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا تذکرہ چھیڑ دیا اور فرمایا: سنو! محمد بن عبد اللہ، اللہ کی طرف سے رسول ہیں انہیں کے دین میں فلاح ہے، ان کی قربت کامیابی کی ضمانت ہے۔

حضرت عثمان فرماتے ہیں: جب میں اپنی خالہ کے پاس سے رخصت ہوا تو میرا پورا وجود خالہ کی کہی ہوئی باتوں سے متاثر تھا اور میں ان کے کلام میں غور وخوض کرنے میں مصروف تھا اسے حسن اتفاق ہی کہیے کہ میرے اور حضرت ابوبکر کے درمیان روابط استوار تھے ان کے یہاں آنا جانا تھا صبح میں ان کی مجلس میں حاضر ہو گیا، میرے چہرے پر پڑی تفکر کی لکیریں حضرت ابوبکر کی حساس نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکیں اور انہوں نے مجھ سے میرے معاملہ کا سوال کر لیا میں نے ان کے سامنے اپنی خالہ کی گفتگو نقل کر دی میری گفتگو سن کر آپ نے فرمایا: اے عثمان! تم ایک تجربہ کار عقل مند انسان ہو تمہیں قدرت نے اس لائق بنایا ہے کہ تم حق وباطل میں خط فاصل کھینچ سکتے ہو، کیا تم نہیں جانتے کہ پتھر کے خود تراشیدہ مجسمے جن کی پوجا ہماری پوری قوم کرتی ہے یہ نرے گونگے اور اندھے ہیں، میں نے کہا بیشک آپ سچ فرما رہے ہیں اس پر حضرت ابوبکر نے فرمایا: تمہاری خالہ نے حق اور سچ بات کہی ہے محمد بن عبد اللہ، اللہ کی طرف سے مخلوق کی رہنمائی کے لیے بھیجے گئے ہیں اور وہ اللہ کے پیغمبر ہیں اگر تم چاہو تو چل کر خود ان کی باتیں سن سکتے ہو میں نے کہا کیوں نہیں ضرور ان کی باتیں سننا چاہیے۔

اس گفتگو کے بعد ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عثمان! اللہ تعالیٰ کی جنت قبول کر لو اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف اور پوری مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے حضور کے یہ الفاظ سننے کے بعد کفر پر جمے رہنا میری طاقت سے باہر ہو چکا تھا میں نے حضور کے سامنے پڑھا

"شهدت ان لا اله الا الله وحده لا شريك له وان محمدا عبده ورسوله"

(الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج ۳،ص:۹)

طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جب میں ایمان لے آیا تو میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا: میں حضور کے سامنے ملک شام کا ایک واقعہ پیش کرتا ہوں جب ہم معان اور زرقاء کے درمیان تھے تو کسی کہنے والے نے کہا اے سونے والو! دوڑو مکہ میں احمد مختار کی آمد ہو چکی ہے، جب ہم آئے تو ہم نے آپ کے بارے میں یہ سب کچھ سنا۔ (ایضاً ج ۳،ص:۵۲)

**آزمائش**: عثمان کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہوئے، اپنے خدا کے پیارے اور محبوب دو عالم کی آنکھ کے تارے ہوئے، لیکن بانیانِ کفر یہ کب پسند کر سکتے تھے کہ کوئی انسان کفر و شرک کی نجاستوں کو چھوڑ کر اسلام کی طہارت و نظافت سے ہم آغوش ہو جائے بلکہ یوں کہہ لیجیے کہ شیطان کو یہ کب برداشت ہوسکتا تھا کہ اللہ کا کوئی بندہ جہنم کے عذاب الیم سے بچ کر جنت کا مکیں بن جائے اہل مکہ طیش میں آ گئے بیگانے تو رہے بیگانے اپنوں نے بھی نگاہ کرم پھیر لی، نہ صرف کرم کی نظر پھیر لی بلکہ خود سب سے بڑھ کر ظالم اور اتیاچاری بن گئے، کفر کے دلداداؤں کی اسلام دشمنی کا یہ عالم تھا کہ جو سزائیں غیروں کے لیے بھی روا نہیں رکھتے تھے انہیں سزاؤں کو وہ خود اپنے جگر کے ٹکڑوں پر نافذ کر دیتے تھے، اگر ان کے لاڈلے اسلام کے دامنِ رحمت میں پناہ گزیں ہو جاتے۔

عثمان اسلام کیا لائے ان پر مصائب و آلام کا کوہِ گراں ٹوٹ پڑا تھا، ان کا سگا چچا حکم بن ابی العاص آپ پر اتنا غضب ناک ہوا کہ آپ کو رسیوں سے باندھ دیا، ساری آزادی آپ سے چھین لی گھر میں قید کر کے ڈال دیا اور دادا گیری کرتے ہوئے حضرت عثمان سے بولا تمہاری یہ ہمت کہ تم اپنے آبا و اجداد کے دین سے برگشتہ ہو کر ایک نئے دین سے منسلک ہو جاؤ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا خدا کی قسم میں تجھے اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک تم اس نئے دین سے باز نہیں آ جاتے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنی قوتِ عزائم کو جمع کرتے ہوئے دوٹوک فیصلہ سنا دیا چچا! تم جو چاہو کر لو خدا کی قسم نہ میں کبھی

اسلام چھوڑ سکتا ہوں اور نہ اس سے جدا ہو پانا میرے لیے ممکن ہے، جب چچا نے بھتیجے کا یہ عزم، حوصلہ اور مذہب پر ان کی استقامت کا یہ منظر دیکھا تو اس نے آپ کو چھوڑ دیا۔

(طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۵۲)

**دامادِ پیغمبر**: حضرت عثمان ایمان قبول کرنے کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظر میں محبوب ہو چکے تھے، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے خصوصی انعام واکرام کے مستحق بن چکے تھے، اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان پر کرم کی بارش کرتے ہوئے ایسی نعمت سے سرفراز فرمایا کہ زمانہ بھر کی نعمتیں ان کا بدل نہیں بن سکتیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے داماد کے طور پر حضرت عثمان کو منتخب کرلیا، اس انتخاب سے حضرت عثمان کا مقام بھی نمایاں ہوگیا کیوں کہ یہ بات سب جانتے ہیں کہ جب کوئی انسان اپنی بیٹی کو کسی کے نکاح میں دیتا ہے تو اپنے ہونے والے داماد سے متعلق بڑی ہی سنجیدگی سے غور وفکر کرتا ہے، ہمنواؤں اور حاشیہ نشینوں سے مشورہ کرتا ہے جب سارے حالات سے اپنے آپ کو مطمئن کرلیتا ہے تب جاکر وہ اپنی بیٹی کے نکاح کا فیصلہ کرتا ہے اور پھر ذاتِ خلاصۂ کائنات جب اپنی بیٹی کا رشتہ کررہی ہو تو اس نے کیا کچھ نہ دیکھا ہوگا لہٰذا حضور کے اس فیصلہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت عثمان اخلاق وکردار، سیرت وصورت میں امتیازی شان کے مالک تھے کہ حضور نے انہیں اپنا داماد منتخب فرمایا۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی منجھلی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا پہلے ابولہب کے بیٹے عتبہ سے نکاح ہوا تھا مگر اعلانِ نبوت کے بعد عتبہ کے باپ ابولہب نے اسلام دشمنی کی وجہ سے اپنے بیٹے پر دباؤ ڈال کر حضرت رقیہ کو طلاق دلوادی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی اس صاحبزادی کا نکاح حضرت عثمان سے کردیا تقریباً چودہ سال تک حضرت عثمان کو حضور کی صاحبزادی کی زوجیت کا شرف حاصل رہا، غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت رقیہ بیمار ہوگئیں آپ ان کی تیمارداری میں مصروف رہے اور حضور کے حکم کی وجہ سے غزوۂ بدر میں شرکت نہ کرسکے لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عثمان

کو اہل بدر میں شمار کیا اور ان کے حصہ کا مال غنیمت بھی انہیں عطا فرمایا، اس بیماری میں حضرت رقیہ حد درجہ کمزور ہو گئیں، جاں بر نہ ہو سکیں اور وصال فرما گئیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بعد اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان سے کر دیا۔ (مقالات سعیدی ص: ۱۹۴، تاریخ الاسلام للذہبی ج ۳، ص: ۴۶۸، الاصابہ ج ۴، ص: ۲۲۳، اسد الغابہ ج ۳، ص: ۵۷۹)

**ام کلثوم کے انتقال پر حضور کا فرمان**: تاریخ الخلفا میں ہے کہ حضرت ام کلثوم کا انتقال ۹ھ مدینہ منورہ میں ہوا۔

جب حضرت ام کلثوم کا انتقال ہوا تو حضور نے حضرت عثمان سے فرمایا: اگر میری تیسری بیٹی ہوتی تو اس کا نکاح بھی تم سے کر دیتا بلکہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار نے فرمایا: اگر میری چالیس لڑکیاں ہوتیں تو یکے بعد دیگرے سب کو میں حضرت عثمان کے نکاح میں دے دیتا یہاں تک کہ کوئی بھی بیٹی باقی نہ رہتی۔

(اسد الغابہ ج ۳، ص: ۵۷۹)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان نے فرمایا: جب میری بیوی رقیہ بنت رسول اللہ کا انتقال ہوا تو میں بہت رویا، تو سرکار نے مجھ سے پوچھا اتنا کیوں روتے ہو؟ میں نے عرض کیا: میرا جو حضور سے رشتۂ دامادی تھا وہ اب منقطع ہو گیا ہے حضور نے فرمایا: روؤ نہیں جبرئیل نے مجھے اللہ کا حکم سنا دیا ہے کہ میں رقیہ کی بہن کا رشتہ تمہارے ساتھ کر دوں۔ (الریاض النضرہ ج ۳، ص: ۱۱)

**ذوالنورین**: امام بیہقی نے عبداللہ بن عمر بن ابان سے روایت کی ہے: وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے ماموں نے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ حضرت عثمان کا لقب ذوالنورین کیوں قرار پایا؟ میں نے عرض کیا: نہیں تو آپ نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک حضرت عثمان کے سوا کسی بھی شخص کے نکاح میں کسی نبی کی دو بیٹیاں نہیں آئیں، حضرت عثمان ہی وہ شخص ہیں جنہیں یہ فضیلت حاصل ہے اس لیے انہیں ذوالنورین

کہا جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت عثمان وہ ہیں جنہیں ملاء اعلیٰ میں ذو النورین کہا جاتا ہے اور حضور نے انہیں دو بیٹیاں عطا فرمائیں۔ (تاریخ الخلفاص:۱۱۹)

**ہجرت**: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صاحب ہجرتین ہیں۔ پہلے آپ نے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی، اس ہجرت میں آپ کے ساتھ آپ کی زوجۂ محترمہ رقیہ بنت رسول اللہ جل مجدہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بھی تھیں، حبشہ کی طرف ہجرت کرنے میں آپ کو اولیت حاصل ہے آپ کے بعد دوسرے لوگوں نے ہجرت کی۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان نے اپنی زوجہ رقیہ کے ساتھ سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی، کچھ عرصہ تک کسی انسان نے بھی آکر حبشہ کی کوئی خبر نہیں دی یہاں تک کہ ایک خاتون حبشہ سے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے آپ کے حال چال معلوم کیے، اس خاتون نے اپنا مشاہدہ حضور سے عرض کیا پھر حضور نے دعا دیتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں کے سائے ان دونوں پر دراز فرمائے۔ حضرت لوط علیہ السلام کے بعد حضرت عثمان ایسے مسلمان ہیں کہ جنہیں اپنی زوجہ کے ساتھ ہجرت کرنے میں اولیت حاصل ہے۔ (دلائل النبوہ للبیہقی باب الھجرۃ الاولیٰ الی الحبشہ)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبشہ ہجرت کرنے کے بعد بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر پھر مکہ تشریف لائے اور مکہ شریف سے آپ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی، جب آپ مدینہ شریف پہنچے تو حضرت حسان بن ثابت کے بھائی حضرت اوس بن ثابت کے مہمان رہے اسی بنیاد پر حضرت حسان بن ثابت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا گیا تو حضرت حسان نے بہت گریہ کیا۔ (اسد الغابہ ج۳،ص:۵۷۹)

**مواخات**: مدینہ شریف ہجرت کرکے جانے والے صحابہ اور مدینہ کے انصار صحابہ کے درمیان محبت کے رشتوں کو مضبوط کرنے کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے

ایک انوکھا طریقہ اپنایا، طریقہ یہ تھا کہ دو متفرق مقامات سے تعلق رکھنے والے صحابہ کو آپس میں ملا کر رشتۂ مواخات قائم کر دیا جاتا اس منصوبے کے تحت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت اوس بن ثابت کو حضرت عثمان کا بھائی قرار دیا۔ (طبقات ابن سعد ج ۳، ص: ۵۳)

**حضرت عثمان اور نزولِ قرآن**: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ان خوش نصیب حضرات میں سے ہیں جن کے بارے میں قرآن پاک کی آیتوں کا نزول ہوا۔ سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۶۲ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَاۤ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴿۲۶۲﴾

"وہ جو اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر دینے کے بعد نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ تکلیف دیتے ہیں تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی غم۔"

حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین صاحب مرادآبادی علیہ الرحمہ اس آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

یہ آیت حضرت عثمان غنی اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما کے حق میں نازل ہوئی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر لشکر اسلام کے لیے ایک ہزار اونٹ مع سامان پیش کیے اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار ہزار درہم صدقہ کے بارگاہِ رسالت میں حاضر کیے اور عرض کیا کہ میرے پاس کل آٹھ ہزار درہم تھے نصف میں نے اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے رکھ لیے اور نصف راہ خدا میں حاضر ہیں۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جو تم نے دیے اور جو تم نے رکھے اللہ تعالیٰ دونوں میں برکت فرمائے۔ (خزائن العرفان)

سورۂ اعلیٰ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سَیَذَّکَّرُ مَنْ یَّخْشٰیۙ۝۱۰ وَ یَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَیۙ۝۱۱ الَّذِیْ یَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰیۚ۝۱۲

''عنقریب نصیحت مانے گا جو ڈرتا ہے اور اس سے (نصیحت ماننے سے) وہ بڑا بدبخت دور رہے گا جو سب سے بڑی آگ میں جائے گا۔'' (ترجمہ، کنزالایمان)

اس آیت سے متعلق علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: مدینہ منورہ میں ایک منافق تھا اس کا ایک درخت ایک انصاری صحابی کے گھر پر جھکا ہوا تھا اس کے پھل صحابیٔ رسول کے گھر میں گر جاتے تھے صحابی نے حضور سے پورا واقعہ عرض کیا سرکار نے درخت والے کو بلایا جس کا نفاق ابھی تک ظاہر نہیں ہوا تھا اور اس سے فرمایا: تم اپنا درخت انصاری کے ہاتھ بیچ دو اس درخت کے بدلے تمہیں جنت کا درخت ملے گا لیکن منافق نے وہ درخت انصاری صحابی کو نہ دیا، حضرت عثمان کو جب اس بات کا علم ہوا کہ منافق نے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بات نہیں مانی ہے تو آپ نے ایک پورا باغ دے کر اس درخت کو خرید لیا اور وہ درخت انصاری صحابی کو ہبہ کر دیا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں حضرت عثمان کی تعریف اور منافق کی مذمت بیان کی گئی۔ اس آیت میں (من یخشٰی) ڈرنے والے سے مراد حضرت عثمان اور (الاشقٰی) بدبخت سے مراد منافق ہے۔

(روح البیان ج ۱۰، ص: ۴۱۵، خطبات محرم ص: ۱۵۵)

**احادیث میں حضرت عثمان:** احادیث کے صفحات پر الفاظ کی صورت میں فضائل حضرت عثمان کے بکھرے ہوئے چمکدار موتی ایک طرف اہل ایمان کی نگاہوں کو روشن کر رہے ہیں تو دوسری طرف ان کے معانی کی چمک سے مومنین کے قلوب منور ہو رہے ہیں۔

یہ سلسلہ اتنا طویل ہے کہ اس کو کامل طور پر جمع کر پانا مجھ جیسے ہیچ مداں کے لیے ناممکن ہے ہم یہاں چند موتیوں کو چن کر اپنے اور قارئین کے قلب و نظر کو روشن کرنے کا اہتمام کر رہے ہیں:

حضرت امام بخاری رضی اللہ عنہ نے اپنی صحیح میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے فضائل کا جو باب باندھا ہے۔ اس باب میں دو مرتبہ زبانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے حضرت عثمان کے لیے جنت کا مژدہ سنایا گیا ہے، امام بخاری فرماتے ہیں کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جو بیر رومہ کو کھدوائے اس کے لیے جنت ہے، حضرت عثمان نے وہ کنواں کھدوایا (اور جنت کے حقدار ہو گئے) اور فرمایا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو جیش عسرت کے لیے سامان فراہم کرے اس کے لیے جنت ہے تو حضرت عثمان نے اس لشکر کے لیے سامان فراہم کر دیا (اور جنت کے حقدار ہو گئے)

(۱) حضرت ابو موسیٰ اشعری ارشاد فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ایک باغ میں داخل ہوئے اور دروازے کی حفاظت کے لیے مجھے مامور فرمایا اتنے میں ایک شخص تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت چاہی (میں نے سرکار سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا:) ان کو اندر آنے کی اجازت بھی دے دو اور ساتھ ہی جنت کی بشارت بھی سنا دو، دروازہ کھولا تو یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، پھر ایک شخص نے اندر آنے کی اجازت مانگی، اس پر بھی سرکار نے یہی ارشاد فرمایا: آنے کی اجازت بھی دو اور جنت کی بشارت بھی، دروازہ کھولا تو یہ حضرت عمر تھے، پھر تیسرے شخص نے دستک دی اور اندر آنے کی اجازت مانگی اس مرتبہ سرکار تھوڑی دیر خاموش رہے پھر فرمایا: انہیں بھی اندر آنے کی اجازت دے دو اور جنت کی بشارت بھی دو لیکن ایک مصیبت جو انہیں پہنچے گی اب جو دیکھا تو یہ حضرت عثمان تھے۔

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ایک مرتبہ احد پہاڑ پر چڑھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر و عمر اور حضرت عثمان بھی تھے تو پہاڑ تھرتھرانے لگا حضرت انس فرماتے ہیں: میرے گمان میں سرکار نے احد کو ٹھوکر لگائی اور پھر فرمایا: اے احد ٹھہر جا تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہیدوں کے سوا کوئی نہیں۔

(صحیح البخاری کتاب المناقب)

(۳) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ایک روز حضور اکرم صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے دولت کدے میں لیٹے ہوئے تھے اور آپ کی ران یا پنڈلی سے کپڑا ہٹا ہوا تھا اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے اور آنے کی اجازت چاہی اجازت مل گئی وہ اندر آئے اور حضور اسی انداز سابق پر آرام فرما رہے اور گفتگو جاری رہی پھر حضرت عمر نے حاضر بارگاہ ہونے کی اجازت چاہی انہیں بھی اجازت مرحمت فرمائی یہ بھی اندر داخل ہوئے اور حضور جیسے آرام فرما تھے ویسے آرام فرماتے رہے پھر حضرت عثمان حاضر ہوئے اور داخل ہونے کی اجازت چاہی تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اپنے کپڑوں کو سنبھالا اور پھر حضرت عثمان کو اندر آنے کی اجازت عطا فرمائی۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں: جب یہ سب لوگ چلے گئے تو میں بارگاہِ رسالت میں عرض گذار ہوئی حضور کیا وجہ رہی میرے باپ حضرت ابوبکر آئے اور آپ جیسے آرام فرما تھے ویسے ہی رہے پھر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے آپ کا انداز وہی رہا لیکن جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور کپڑوں کو درست کر لیا حضرت عائشہ کی اس عرض پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "الا استحیی من رجل تستحی منه الملائكة" اے عائشہ میں اس شخص سے حیا کیوں نہ کروں جس سے ملائکہ حیا کرتے ہیں۔ (صحیح المسلم کتاب المناقب)

**جنت خریدلی:** حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں یہ بات بالکل محتاج بیان نہیں ہے جیسا کہ امام ترمذی نے کتاب المناقب میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے، ترمذی کے علاوہ کثیر احادیث کتب میں یہ حدیث موجود ہے۔ اس کے سوا متعدد مرتبہ زبانِ رسالت سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنت کی بشارت سنائی گئی آنے والی حدیث میں عطاو بخشش، عشق ومحبت، اور حسن اعتقاد کا ایسا انوکھا امتزاج ہے کہ جسے دیکھنے کے بعد بدعقیدگی اور بدمذہبی کی ساری بنیادیں مسمار ہو جاتی ہیں لیکن ع

شرط انصاف ہے ہر بات میں اے بندہ نواز

لہٰذا آیئے چشم بینا کھولیے پڑھیے، اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انداز طلب

اور پھر اپنے رسول کا اختیار ملاحظہ کیجیے ساتھ ہی ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے لیے عثمان کا دھڑکتا دل ان کے سینے میں موجزن خیر کے جذبات اور ان کی شان سخا کے مناظر بھی اپنی آنکھوں سے دیکھیے اور آئینۂ دل پر نقش کر لیجیے۔

حضرت بشیر اسلمی فرماتے ہیں: جب مسلمان مکہ شریف سے ہجرت کر کے مدینہ شریف آئے تو وہاں کا پانی پینے لائق نہ تھا، میٹھے پانی کا چشمہ صرف قبیلۂ غفار کے ایک آدمی کے پاس تھا اس چشمہ کا نام رومہ تھا وہ پانی مول دیا کرتا تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس آدمی کو بلا کر فرمایا "تبیعھا بعین فی الجنة" کیا تم اس کو جنت کے چشمہ کے بدلے بیچنا پسند کرو گے؟ اس نے عرض کیا میرے پاس اس کے سوا دوسرا کوئی کنواں نہیں ہے میں یہ سودا نہیں کر سکتا (وہ شخص تو یہ کہہ کر چلا گیا) جب اس سودے کی خبر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملی تو اس چشمہ کو پینتیس ہزار ۳۵۰۰۰ درہم میں خرید لیا اور پھر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ! جو سودا آپ فلاں صاحب سے کر رہے تھے کیا مجھ سے کریں گے؟ اگر میں اس کنویں کو خرید لوں۔ مالک ومختار نبی نے فرمایا: ہاں عثمان میں تم سے بھی وہ سودا کرنے کے لیے تیار ہوں بس زبانِ رسالت سے سننا تھا کہ عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ "قد اشتریتھا وجعلتھا للمسلمین" میں نے اس کو خرید لیا اور مسلمانوں کے لیے اس کو وقف کر دیا۔

(تاریخ اسلام للذہبی ج ۳،ص: ۱۷۴، الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج ۳،ص: ۱۷)

**جنت کی خریداری اور ابو ہریرہ کی گواہی:** مشہور صحابیٔ رسول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے دو مرتبہ جنت خرید لی ہے ایک مرتبہ جب آپ نے بیر رومہ کو خریدا تھا اور دوسری مرتبہ جیش عسرت کو تیار کر کے۔ (تاریخ اسلام للذہبی ج ۳،ص: ۱۷۴)

حضور نے جنت فروخت کی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو خرید لیا اور حضرت ابو ہریرہ نے اس کو بیان بھی کیا اور پھر آج تک علما اس کو اپنی اپنی کتابوں میں

بیان کررہے ہیں کیا اس کے بعد بھی یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ نبی کو اختیار ہے کہ نہیں، ہے تو پھر کتنا ہے؟ صرف یہی نہیں اس جیسے نہ جانے کتنے واقعات ہیں جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اختیارات وتصرفات کا بزبانِ حال اعلان کررہے ہیں۔ جن سے کتب احادیث وسیر معمور ہیں اور یہی اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں اور اسکے سوا بھی کئی دوسری کتب میں بیر رومہ کی خریداری سے متعلق یہ روایت ہے کہ بیر رومہ ایک یہودی کا تھا اس کی خریداری دو مرتبہ ہوئی پہلی مرتبہ آدھا کنواں بارہ ہزار درہم میں اور پھر نصف آخر آٹھ ہزار درہم میں خرید اگیا۔

(باب حرف العین ص:۵۴۵)

**غزوات میں شرکت**: مدینہ شریف جو اسلام اور مسلمانوں کے لیے بہترین پناگاہ ثابت ہوا تھا اس کی فضائیں اسلام کے پودے کو نشو ونما دینے میں معین ومددگار ثابت ہو رہی تھیں، اسلام کا کارواں رفتہ رفتہ منزل کی طرف گامزن تھا اس کارواں کے ساتھیوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی مسلمان بڑے خوش تھے کیوں کہ اس سرزمین پر ان کے آقا کا مشن انہیں کامیاب ہوتا نظر آرہا تھا اور خود آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اس بات پر شاداں اور فرحاں تھے کہ رب ذوالجلال کے پرستار تیزی کے ساتھ بڑھ رہے تھے یہاں بہت سارے لوگ ایسے بھی تیار ہو گئے تھے جو ھادی اعظم کے راستہ میں بچھائے جانے والے کانٹوں کو اپنی پلکوں سے چن چن کر راہ کو ہموار کرنے کا کامل حوصلہ رکھتے تھے یہ بات جہاں مومنین کے لیے راحتِ جاں تھی وہیں مشرکین کے لیے ہلاکت خیز بھی کیوں کہ ان کے لیے خطرے کی گھنٹی بج چکی تھی انہیں کفر کے ایوان سرنگوں ہوتے نظر آرہے تھے شرک کی مضبوط چٹانوں میں بھی شگاف پڑتا دکھائی دے رہا تھا اب وہ اپنی طرف سے کسی بھی تساہلی اور بزدلی کو برداشت نہیں کرسکتے تھے ان کے لیے اسلام کے بڑھتے قدم کو روکنا یا کم ازکم اس کی رفتار کو کم کرنا بہت ضروری ہو گیا تھا، انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو کرۂ ارض سے مٹانے کا منصوبہ جنگ بدر کی صورت میں تیار کیا جو اسلام اور کفر کے بیچ پہلی جنگ کہلائی۔

**حضرت عثمان بدری صحابی ہیں**: مسلمانوں کی بیخ کنی کے لیے کفر پرستوں نے طاقت کو جمع کرنے اور اسلام پر سخت حملہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی وہ یہ سوچ کر ہی میدان جنگ میں کودے تھے کہ اسلام کے ساتھ یہ ان کی آخری اور فیصلہ کن جنگ ہو گی، اسکے بعد اگر کچھ مسلمان بچ بھی گئے تو وہ اس قابل نہ ہوں گے کہ ان کے اور ان کے مذہب کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکیں، ادھر مسلمان مادی طاقت سے خالی ضرور تھے لیکن پیغمبر اسلام نے انہیں جو عزم، حوصلہ اور استقامت کی طاقت بخشی تھی وہ کسی بھی مرحلہ میں ناقابل تسخیر تھی، مسلمانوں کی قوت ارادی نے ان کا معیار اتنا بلند کر دیا تھا کہ انسان تو رہے انسان، جن اور دیوؤں سے ٹکرانے میں بھی انہیں کوئی توقف نہ تھا وہ تو صرف اور صرف اپنے پیغمبر اور قائد کے اشارۂ ابرو کے منتظر تھے۔

دونوں لشکر میدان جنگ میں خیمہ زن ہیں حضور کے تقریباً سارے صحابہ میدان بدر میں جذبۂ سرفروشی کے ساتھ حاضر ہیں لیکن حضرت عثمان نہ کسی خیمہ میں نظر آرہے ہیں اور نہ ہی بدر کے میدان میں چلتے پھرتے دکھائی دے رہے ہیں، کیا تن پروری اور بزدلی نے انہیں میدان جنگ میں جانے سے روک دیا ہے؟ اگر اس قسم کا فاسد نظریہ، اور بیہودہ فکر کسی ذہن میں جگہ بنانے کی کوشش کریں گی تو حقائق وشواہد اور دلائل کا موجیں مارتا سمندر اس قسم کے ہر فساد اور ہر خباثت کو خس وخاشاک سے زیادہ ذلت کے ساتھ بہا کر نیست ونابود کر دے گا حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہی سب کچھ ہوا کرتا تھا حضور فرماتے چلو تو چل دیتے، حکم ملتا ٹھہر جاؤ تو فوراً پڑاؤ ڈال دیتے، سونے کا حکم ملتا تو سو جاتے، جب جاگنے کا حکم ملتا تو بیدار ہو جاتے، میدان جنگ میں حاضری کا حکم ملتا تو پوری مستعدی کے ساتھ نذرانۂ جاں حاضر کر دیتے اور جنگ کے ایام میں شہر میں ٹھہرنے کا حکم مل جاتا تو عورتوں اور بچوں کے ساتھ رہتے ہوئے حکم رسول پر عمل کرتے ہوئے نظر آتے بس یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان میدان جنگ کے بجائے مدینہ شریف میں حاضر ہیں۔

ابھی آپ پچھلے صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ جنگ بدر کا زمانہ وہی ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی لخت جگر نور نظر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی علالت کا زمانہ ہے حضرت رقیہ حضور کی بیٹی ہیں اور حضرت عثمان کی زوجہ ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مدینہ ہی میں ٹھہریں اور حضرت رقیہ کی تیمارداری میں مصروف رہیں۔ لہٰذا حضرت عثمان رہے مدینہ شریف میں لیکن اپنی مرضی سے نہیں کسی کاہلی کی بنیاد پر نہیں بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم سے اور یہ حضور کا اختیار ہے کہ عثمان کے مدینہ شریف میں رہتے ہوئے بھی انہیں بدر کے مال غنیمت میں سے حصہ بھی عنایت فرمایا اور بدریوں کا اجر وثواب بھی عنایت فرمایا۔ حضور نے فرمایا "ان لك اجر رجل ممن شهد بدرا وسهمه" (بخاری) اس لیے حضرت عثمان اصحاب بدر میں شامل ہیں جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا قاصد فتح بدر کی خوشخبری لے کر مدینہ شریف میں داخل ہوا اس وقت حضرت رقیہ دار فانی سے دار بقا کی جانب کوچ کر چکی تھیں۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ص: ۵۴۴ حرف العین)

غزوۂ احد میں حضرت عثمان شریک رہے لیکن اپنے ہی ساتھیوں کی اجتہادی خطا سے جنگ کے حالات بدل گئے اور جنگ نے بڑی نازک صورت اختیار کر لی، اور اس پر مستزاد یہ کہ ایک غلط خبر پھیلا دی گئی کہ (معاذ اللہ) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو شہید کر دیا گیا تو کچھ صحابہ جنگ چھوڑ کر چلے گئے کہ جب حضور ہی نہ رہے تو اب لڑ کر کیا کریں گے حضرت عثمان بھی انہیں صحابہ میں شامل تھے یہ ایک اجتہادی لغزش تھی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ایسے صحابہ سے متعلق معافی کا اعلان فرما دیا جیسا کہ بخاری کتاب المناقب میں یہ حدیث موجود ہے۔

**نبی کی نیابت:** حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جب خود غزوے کے لیے تشریف لے جاتے تو عادت کریمہ یہ تھی کہ کسی صحابی کو اپنا نائب بنا کر مدینہ شریف میں متعین کر جاتے، یہ سعادت حضرت عثمان کو دو مرتبہ حاصل ہوئی، پہلی مرتبہ غزوۂ ذی امر میں حضور نے اپنا نائب

بنایا، اور دوسری مرتبہ غزوۂ ذات الرقاع میں سرکار نے انہیں مدینہ شریف میں اپنا خلیفہ بنایا۔

(مغازی للواقدی حج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بالناس سنۃ عشر)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خندق، خیبر، فتح مکہ، ہوازن، طائف اور جنگ تبوک وغیرہ تمام غزوات میں حاضر رہے بعض غزوات میں آپ کی نمایاں خدمات کے انوار آج بھی تاریخ اسلام کو روشنی فراہم کر رہے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۰، ص: ۳۵۰)

تفسیر ضیاء القرآن میں علامہ پیر کرم شاہ ازہری رقم طراز ہیں:

**غزوۂ حدیبیہ:** مدینہ طیبہ میں مہاجرین وانصار جنہیں بیت اللہ شریف کی زیارت کا شوق ہر وقت بے چین رکھتا تھا، اپنی اس خواہش کا اظہار وہ بارگاہِ رسالت میں بھی کرتے رہتے تھے، حضور انہیں صبر کی تلقین کے ساتھ ساتھ یقین دلاتے کہ عنقریب وہ دن آنے والا ہے جب یہ سب رکاوٹیں دور ہو جائیں گی اور تم بڑی آسانی کے ساتھ حج وعمرہ ادا کرسکوگے۔

ایک روز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے صحابہ کو یہ نوید جانفزا سنائی کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ہم سب امن وسلامتی کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہو رہے ہیں، یہ سن کر صحابہ کرام کی خوشی کی حد نہ رہی، انہوں نے اللہ کریم کی حمد وشکر کے نعرے بلند کیے اور یہ خبر آنِ واحد میں سارے شہر میں پھیل گئی، صحابہ کرام یہ جانتے تھے کہ نبی کریم کا خواب عام خواب نہیں ہے بلکہ یہ وحی الٰہی ہے اور اس میں ہماری دیرینہ آرزو کے برآنے کی بشارت دی گئی ہے، اتنا تو انہیں یقین تھا کہ ایسا ضرور ہوگا، لیکن کس طرح ہوگا اس کے بارے میں مختلف وسوسے پریشان کرنے لگے، کیا قریش کے ساتھ جنگ ہوگی اور انہیں شکست دے کر مسجد حرام میں داخل ہونگے؟ کیا وہ زور بازو سے اہل مکہ کو شہر خالی کرنے پر مجبور کر دیں گے؟ کیا اہل مکہ خود بخود ان کے لیے دروازے کھول دیں گے؟ بہر حال سفر کی تیاریاں زور وشور سے شروع ہو گئیں۔ مدینہ طیبہ سے باہر جو قبائل مسلمان ہو چکے تھے انہیں بھی دعوت دی گئی کہ وہ بھی اس سفر میں شریک ہوں۔

یکم ذیقعدہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی قیادت میں عشاق کا یہ قافلہ سوئے

حرم روانہ ہوا، اس کی تعداد چودہ صد اور پندرہ صد کے درمیان تھی، حضور اپنی ناقہ قصویٰ پر سوار تھے ستر اونٹ قربانی کے لیے ساتھ تھے ان کے گلوں میں قلادے ڈال دیے گئے تھے تاکہ پہچان ہو سکے کہ یہ قربانی کے جانور ہیں، یہ قافلہ جب مدینہ طیبہ سے چھ سات میل دور ذوالحلیفہ نامی گاؤں میں پہنچا تو سب نے عمرہ کا احرام باندھا، ان کے پاس ایک ایک تلوار تھی وہ بھی میان بند، اس کے علاوہ کوئی ہتھیار نہ تھا، ازواج مطہرات میں سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس سفر میں حضور کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا، قریش کو جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی روانگی کی اطلاع ملی تو ان کے دلوں میں وسوسوں اور اندیشوں کے طوفان امڈ آئے انہوں نے یہ خیال کیا کہ عمرہ تو محض اک بہانہ ہے، اصل مقصد مکہ پر قبضہ کرنا ہے، انہوں نے طے کرلیا کہ وہ کسی قیمت پر مسلمانوں کو شہر میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

حضور جب عُسفان کے مقام پر پہنچے جو مکہ سے تقریباً دو دن کی مسافت پر واقع ہے تو بنی کعب قبیلہ سے ایک آدمی ملا حضور نے اس سے قریش کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ انہیں آپ کی روانگی کی خبر ہو چکی ہے، وہ مکہ سے نکل کر ذوطویٰ کے مقام پر خیمہ زن ہو گئے ہیں، انہوں نے یہ عہد کرلیا ہے کہ آپ کو مکہ میں ہرگز داخل نہیں ہونے دیں گے، نیز انہوں نے آپ کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے دوصد شہسواروں کا دستہ خالد بن ولید کی قیادت میں کراع الغمیم کی طرف بھیج دیا ہے۔ یہ بستی غسفان سے صرف آٹھ میل کے فاصلہ پر تھی۔

یہ سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: صد حیف! قریش کو جنگوں نے کھو کھلا کر دیا ہے لیکن پھر بھی وہ اپنی ضد سے باز نہیں آئے، کیا حرج تھا اگر وہ میرے اور دیگر عرب قبائل کے درمیان حائل نہ ہوتے، اگر عرب قبائل ہمارا خاتمہ کر دیتے تو ان کا مقصد پورا ہو جاتا اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے ان پر غلبہ بخشتا تو وہ اپنی عددی کثرت کے ساتھ اسلام میں داخل ہو جاتے، اور اگر اس وقت بھی اسلام قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوتے تو پھر مجھ سے

جنگ کرتے، اس وقت وہ طاقتور ہوتے۔ آخر میں حضور نے فرمایا: "فما تظن قریش! فواللہ لا ازال اجاھد علی الذی بعثنی اللہ بہ حتی یظھرہ اللہ او تنفرد ھذہ السالفہ"۔ ترجمہ: قریش کیا سوچ رہے ہیں بخدا میں اس دین کے لیے جہاد کرتا رہوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو غالب کردے یا میری زندگی ختم ہوجائے؟

حضور نے جنگ وجدال سے بچنے کے لیے یہ مناسب سمجھا کہ اس راستہ کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرکے مکہ پہنچیں حضور نے پوچھا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو کسی غیر معروف راستہ سے ہمیں مکہ لے جائے؟ ایک شخص نے حامی بھر لی؛ چناں چہ ایک نہایت ہی کٹھن اور دشوار گذار راستہ پر چل کر حضور حدیبیہ کے مقام پر پہنچے، یہ جگہ حرم شریف کی سرحد پر واقع ہے، اس طرح خالد کے گھوڑ سوار دستہ سے ٹکراؤ ٹل گیا اور قریش کی یہ تدبیر ناکام ہوگئی کہ مسلمانوں کو راستہ ہی میں الجھا لیا جائے۔

نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو حضور کی ناقہ قصویٰ بیٹھ گئی، لوگوں نے خیال کیا کہ تھکاوٹ کی وجہ سے بیٹھ گئی ہے، نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "انما حبسھا حابس الفیل عن مکۃ" اس ذات نے آگے بڑھنے سے روک دیا ہے جس نے ہاتھیوں کو مکہ جانے سے روکا تھا حضور نے حکم دیا یہیں فروکش ہوجاؤ! لوگوں نے عرض کی: یارسول اللہ! یہاں تو پانی کی ایک بوند نہیں سارے کنویں خشک پڑے ہیں، یہاں لشکر اسلام نے قیام کیا تو پانی کی نایابی کی وجہ سے بڑی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا" حبیب پاک نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور ایک صحابی کو حکم دیا کہ کسی کنویں میں اتر جائے اور یہ تیر اس میں گاڑ دے انہوں نے تعمیل ارشاد کی، تیر گاڑنے کی دیر تھی کہ پانی جوش مار کر ابلنا شروع ہوگیا دیکھتے ہی دیکھتے کنواں پانی سے بھر گیا۔

قریش بضد تھے کہ وہ کسی قیمت پر آگے نہیں بڑھنے دیں گے، حضور کی خواہش تھی کہ جنگ نہ ہونے پائے اور سارے معاملات حسن وخوبی سے طے پاجائیں، اسی اثنا میں بدیل بن ورقاء جو بنی خزاعہ قبیلہ کا سردار تھا اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ حضور کی

خدمت میں آیا اور حضور سے آمد کا مقصد پوچھا حضور نے اسے بتایا کہ ہم حج کے ارادے سے نکلے ہیں، بیت اللہ کی زیارت کا شوق ہمیں کشاں کشاں یہاں لے آیا ہے، جنگ کرنے کا ہمارا قطعاً کوئی ارادہ نہیں اور نہ ہی ہم کسی بہانے سے مکہ پر قابض ہونا چاہتے ہیں، احرام کی دو چادریں ہمارے زیب تن ہیں، قربانی کے جانور ہمارے ساتھ ہیں، کیا تم یہ باور کر سکتے ہو کہ ایک تلوار لے کر ہم تمہارے ساتھ اتنی مسافت طے کر کے لڑنے کے ارادے سے آئے ہیں بدیل کو اطمینان ہو گیا؛ چناں چہ وہ اہل مکہ کے پاس گیا اور انہیں جا کر کہا کہ مسلمان صرف کعبہ کی زیارت اور طواف کے لیے آئے ہیں، جنگ کرنے کا ان کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں، تم ان کا راستہ نہ روکو، قریش نے اسے ڈانٹ دیا اور صاف کہا کہ تم بدو لوگ ان باریکیوں کو نہیں سمجھتے! ہم کسی قیمت پر مسلمانوں کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ چند قبائل جنہیں احابیش کہا جاتا تھا مکہ کے نواح میں آباد تھے۔ قریش کے ساتھ ان کا دوستانہ معاہدہ تھا، مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لیے اہل مکہ کو ان کی بڑی ضرورت تھی، یہ لوگ بلا کے تیر انداز اور جنگجو تھے۔

اہل مکہ نے ان کے سردار حلیس بن علقمہ کو اپنا نمائندہ بنا کر حضور کی خدمت میں بھیجا، تا کہ وہ مجبور کرے کہ حضور واپس چلے جائیں۔ ان کا خیال تھا کہ اگر حضور نے اس کی بات نہ مانی تو وہ برافروختہ ہو کر مسلمانوں کے خلاف اپنی پوری طاقت استعمال کرے گا۔ حضور نے جب اسے اپنی لشکر گاہ کی طرف آتے دیکھا تو صحابہ کرام کو ارشاد فرمایا کہ قربانی کے جانوروں کی قطاریں اس کے سامنے سے گزارو، حلیس نے جب یہ منظر دیکھا تو بہت متأثر ہوا، حضور سے گفتگو کیے بغیر قریش کے پاس آ گیا اور جو کچھ دیکھا تھا وہ آ کر بیان کر دیا، اور انہیں یقین دلایا کہ مسلمان نہ جنگ کرنے کی غرض سے آئے ہیں اور نہ مکہ پر قبضہ کرنے کا ارادہ ہے، اس کی بات سن کر قریش کے غیظ وغضب کی حد نہ رہی۔ اسے کہا او بدو! بیٹھ جاؤ، تمہیں ان چیزوں کا کیا علم ہے؟ حلیس غصہ سے بے قابو ہو گیا اور انہیں کہا کہ ہم نے تمہارے ساتھ اس لیے دوستی نہیں کی کہ زائرین کعبہ کا راستہ روکنے کے لیے تمہاری امداد

کریں، اگر تم اپنی ضد سے باز نہ آئے تو میں اپنے قبیلہ کو لے کر یہاں سے چلا جاؤں گا، قریش اس کی منت سماجت کرنے لگے کہ ذرا صبر سے کام لو ہمیں سوچنے کا موقع دو، اس کے بعد اہل مکہ نے عروہ بن مسعود ثقفی سے کہا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جا کر گفتگو کرے، اور انہیں واپس چلے جانے پر آمادہ کرے۔

اپنے پہلے سفیروں کے ساتھ انہوں نے جو برتاؤ کیا تھا وہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ تم میرے ساتھ وہی سلوک کرو گے اس لیے یہ خدمت انجام دینے سے قاصر ہوں۔ قریش نے اسے یقین دلایا کہ اس کی شخصیت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے، اس کی دانائی اور فراست پر کلی اعتماد ہے؛ چناں چہ وہاں سے روانہ ہو کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا، اور بڑی سلیقہ مندی سے گفتگو کا آغاز کیا، کہنے لگا کہ مکہ آپ کی قوم کا مرکز ہے، اگر آپ ان آوارہ منش لوگوں کی فوج اکٹھی کر کے اس پر حملہ کر کے اس کو ویران کر دیں اور یہاں کے باشندوں میں قتل وغارت کا بازار گرم کر دیں گے تو یہ داغ پھر کبھی نہیں مٹے گا اور اگر جنگ کی نوبت آئی تو آپ کے یہ ساتھی آپ کو تنہا چھوڑ کر میدان جنگ سے بھاگ جائیں گے۔ حضرت صدیق اکبر اس کی گفتگو سن رہے تھے، جب اس نے یہ آخری بات کہی تو آپ کو یارائے ضبط نہ رہا اور کڑک کر فرمایا: اولات کے غلیظ چیتھڑے کو چومنے والے! تم نے کیا کہا؟ کیا ہم حضور کو چھوڑ کر چلے جائیں گے؟ عروہ نے یہ سنا تو ہکا بکا رہ گیا، عرب کے دستور کے مطابق عروہ اثنائے گفتگو کبھی کبھی اپنے ہاتھ سے سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ریش مبارک کو چھو لیتا، حضرت مغیرہ جو پاس کھڑے تھے اس کے ہاتھ کو سختی سے جھٹک دیتے اگر چہ آپ عروہ کے ممنون احسان تھے کہ اس نے ان کی طرف سے تیرہ آدمیوں کا خون بہا ادا کیا تھا جو ان سے قبل از اسلام قتل ہوئے تھے۔ عروہ نے حضور سے تبادلہ خیال کیا اور اسے یقین ہو گیا کہ حضور کا مقصد نہ اہل مکہ سے جنگ کرنا ہے اور نہ مکہ پر قبضہ کرنا ہے، بلکہ حضور اپنے مخلص ساتھیوں کے ساتھ حج بیت اللہ کی غرض سے یہاں آئے ہیں۔

چناں چہ اسلامی کیمپ میں کچھ وقت گزارنے کے بعد جب واپس گیا تو اس نے

اہل مکہ کو اپنے مشاہدات کے نتیجہ سے آگاہ کیا اور انہیں یہ مشورہ دیا کہ وہ مسلمانوں کی مزاحمت کا ارادہ ترک کردیں، انہیں حج وزیارت سے نہ روکیں، وہ چند دن یہاں ٹھہر کر واپس مدینہ چلے جائیں گے، اس نے انہیں یہ بھی بتایا کہ وہ قیصر وکسریٰ اور کئی دوسرے بادشاہوں کے درباروں میں گیا ہے لیکن جاں نثاری اور عقیدت کے جو جذبات اس نے غلامانِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دلوں میں موجزن دیکھے ہیں ان کی نظیر کہیں بھی نظر نہیں آئی، وہ اگر تھوکتے ہیں تو لعاب دہن کو تبرک سمجھ کر ہاتھوں پر لے لیتے ہیں، اگر وہ وضو فرماتے ہیں تو وضو کے پانی کا قطرہ زمین پر نہیں گرنے دیتے بلکہ آگے بڑھ کر اسے اپنے چہروں اور اپنے سینوں پر مل لیتے ہیں، اگر کوئی کام کرنے کا اشارہ کرتے ہیں تو حکم بجالانے میں سب ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لیے بیتاب ہو جاتے ہیں۔ میں نے اطاعت کیشی، جاں نثاری، خلوص اور محبت کے یہ دلکش مناظر کسی شاہی دربار میں نہیں دیکھے۔ اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ مشکل وقت میں مسلمان اپنے نبی کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے تو یہ تمہاری خام خیالی ہے میں نے حقیقت حال سے آگاہ کردیا ہے اب جو تم مناسب سمجھو وہ کرو۔

قریش نے مسلمانوں کے خلاف جو روش اختیار کر رکھی تھی، انہیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ جزیرۂ عرب کے طول وعرض میں اس کا ردعمل ان کے خلاف ہوگا، لوگ یہ سمجھنے لگیں گے کہ قریش کعبہ کے خادم نہیں ہیں بلکہ مالک ہیں انہیں یہ اختیار ہے کہ جس کو چاہیں وہاں آنے دیں اور جس کو چاہیں وہاں آنے سے روک دیں، قریش کی کوشش تھی کہ اہل مکہ کے اذہان میں ان کے متعلق یہ تأثر پیدا نہ ہو، یہی وجہ تھی جس کے باعث وہ مسلمانوں پر برملا حملہ کرنے سے گریزاں تھے، ان کی یہ خواہش تھی کہ ایسے حالات پیدا کردیے جائیں کہ مسلمان مشتعل ہوکر جنگ کا آغاز کردیں۔ چناں چہ انہوں نے بار بار ایسی حرکتیں کیں، جس سے جنگ کے شعلے بھڑک سکتے تھے، ایک دفعہ رات کی تاریکی میں ان کے چالیس پچاس آدمی اسلامی کیمپ میں گھس آئے، اور مسلمانوں پر پتھروں اور تیروں کی بارش شروع

کر دی، مسلمانوں نے صبر وضبط سے کام لیتے ہوئے جنگ کو آگے پھیلنے نہیں دیا بلکہ ان سب کو گرفتار کر کے حضور کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے کسی سے انتقام نہیں لیا بلکہ سب کو آزاد کر دیا، اس طرح قریش کی اس سازش کو ناکام بنا دیا، ایک روز مسلمان صبح کی نماز ادا کرنے میں مصروف تھے تنعیم کی طرف سے ۸۰؍آدمیوں کے ایک دستہ نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا، مسلمانوں نے ان سب کو گرفتار کر لیا۔ لیکن سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے لیے بھی عفو عام کا اعلان کر دیا، یوں قریش کی دوسری سازش بھی ناکام بنادی گئی۔

حالات کوئی فیصلہ کن صورت اختیار نہیں کر رہے تھے، اہل مکہ نے جتنے سفیر بھیجے تھے مسلمانوں کی حسن نیت کے بارے میں وہ خود تو مطمئن ہو کر آئے لیکن اہل مکہ کو مطمئن نہ کر سکے۔ چنانچہ نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عثمان کو اپنا سفیر بنا کر اہل مکہ کی طرف بھیجا کہ یہ اپنی ذاتی وجاہت اور خاندانی اثر ورسوخ کے باعث اہل مکہ کی غلط فہمیوں کو دور کر سکیں اور قریش کو اس پر آمادہ کر سکیں کہ مسلمانوں کو زیارت وطواف کعبہ سے نہ روکیں۔ (ضیاء القرآن ج ۴، ص: ۵۲۷)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے سارے صحابہ کے درمیان سے حضرت عمر کے مشورہ کے مطابق حضرت عثمان کو چنا اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کفار مکہ کی نظر میں سب سے زیادہ عزت ووقار کے مالک تھے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۶، ص: ۲۱۴)

**عشقِ رسول:** حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے وقار اور عزت کو ملاحظہ کرنے کے بعد ان کے عشق رسول کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی عشق ہے کہ جس کی بدولت حضرت عثمان قرب الٰہی اور رتبے کی بلندی کی انگنت سیڑھیاں چڑھتے چلے گئے۔ عشق کے سوز وگداز کو علامہ ارشد القادری علیہ رحمۃ الباری کے رس گھولتے ہوئے الفاظ میں پڑھیں۔

سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ہدایت فرمائی کہ وہ مکہ والوں سے جا کر کہیں کہ ہم لوگ جنگ کی نیت سے نہیں آئے ہیں، صرف عمرہ کر

کے یعنی صفا و مروہ کی سعی اور خانہ کعبہ کا طواف کر کے لوٹ جائیں گے، بے خطر ہمیں حرم میں آنے کی اجازت دیں۔

سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ پیغام لے کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مکہ کے لیے روانہ ہوئے۔شہر میں پہنچ کر انہوں نے سردارانِ مکہ سے ملاقات کی اور انہیں ساری تفصیل بتائی لیکن وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔

ابھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ ہی میں تھے کہ کسی نے قافلے میں یہ خبر اڑادی کہ انہیں کفار مکہ نے شہید کر دیا۔اس خبر کے مشتہر ہوتے ہی صحابۂ کرام میں سخت اضطراب و ہیجان برپا ہو گیا۔صحابۂ کرام کی بیتابی دیکھ کر سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک درخت کے نیچے سب کو جمع کیا اوراس بات پر ہر شخص سے عہد لیا کہ اگر یہ خبر صحیح ہوئی تو خونِ عثمان کا انتقام لینے کے لیے جان تک کی بازی لگا دی جائے گی، ویسے سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ حقیقت مخفی نہیں تھی کہ یہ خبر غلط ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ زندہ وسلامت ہیں جیسا کہ اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ پر جب سب لوگ بیعت کر چکے تو اخیر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے ایک دست کریم کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دیا اور دوسرے ہاتھ کو اس پر رکھ کر ان کی طرف سے بھی بیعت لی۔اگر حضور کے علم میں وہ زندہ نہ ہوتے تو ہرگز انہیں بیعت میں شریک نہ فرمایا جاتا، کیوں کہ وفات یافتہ آدمی سے کسی معاہدہ پر اقرار لینا قطعاً بے معنی ہے۔

اسی موقع پر بعض صحابہ کرام نے نہایت حسرت کے ساتھ یہ کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہم سے پہلے مکہ پہنچ گئے یقیناً انہوں نے خانہ کعبہ کا طواف کرلیا ہوگا، حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو ارشاد فرمایا: ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، عثمان بغیر ہمارے خانۂ کعبہ کا طواف نہیں کریں گے۔

صحابہ نے پھر دریافت کیا کہ آخر کون سی چیز انہیں طواف سے مانع ہوگی، جب کہ وہ حرم میں داخل ہو گئے ہیں۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب دیا: ان کا جذبۂ

اخلاص کبھی انہیں اجازت نہیں دے گا کہ وہ بغیر ہمارے طواف کرلیں۔

چناں چہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس لوٹے تو صحابہ نے ان سے کہا کہ آپ نے تو خانہ کعبہ کا طواف کرلیا ہوگا، یہ سن کر ان کا چہرہ سرخ ہوگیا، عشق وایمان کا جذبۂ اخلاص انگ انگ سے پھوٹ پڑا، بپھرے ہوئے جذبات میں جواب دیا: میرے ساتھ اس سے زیادہ سخت بدگمانی اور کیا ہوسکتی ہے کہ میں بغیر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے خدا کے گھر کا طواف کرلیتا، خدا کا گھر موجود تھا لیکن گھر کی چوکھٹ پر رہتے ہوئے بھی گھر والے سے ہمارا کیا رشتہ تھا؟ عرفانِ خداوندی کا یہ سارا تقرب تو رسول ہی کا عطا کیا ہوا ہے۔ انہیں کے دم قدم سے خدا کے ساتھ ہماری روحوں کا سررشتہ وجود میں آیا ہے۔ بھلا میں انہیں چھوڑ کر کس منہ سے دربار خداوندی کا رخ کرتا!

قسم خدا کی ایک سال بھی مجھے انتظار کرنا پڑتا تو میں اپنے رسول کریم کے انتظار میں ایک سال تک خانہ کعبہ کا طواف ملتوی رکھتا۔ قریش کے سرداروں نے بار بار مجھ سے اصرار کیا کہ میں خانہ کعبہ تک آگیا ہوں تو طواف کرلوں، لیکن میں نے ہر بار انکار کیا کہ اپنے رسول کے بغیر ہرگز طواف نہیں کروں گا، چاہے خانہ کعبہ میرے پیش نظر ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس جواب نے خانۂ خدا اور حبیب خدا کا فرق اتنا واضح کردیا ہے کہ مظاہر خداوندی میں رسول کی حیثیت سمجھنے کے لیے اب فکر ونظر کا کوئی حجاب باقی نہ رہا۔ اب یہ راز پوری طرح واشگاف ہوگیا کہ خداشناسی کی منزل میں رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا مقام عرفان کیا ہے؟ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا یہ مشرب کچھ ان کی ذات کے ساتھ خاص نہیں تھا، سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ وجہ بتا کر کہ ان کا جذبۂ اخلاص کبھی اجازت نہیں دے گا کہ وہ میرے بغیر طواف کرلیں، واضح کردیا ہے کہ عشق وعرفان کا مزاج ہی یہی ہے۔ (بزبانِ حکایت، ص: ۴۷، ۵۰)

ہم اپنے قارئین کو بتاتے چلیں کہ اسلام میں اس بیعت کا نام بیعت رضوان ہے۔ صحابہ کرام نتائج سے بے خبر ہوکر ہادی اعظم اور کائنات کے مرشد اعظم کے دست حق پرست

پر جان دینے اور سر کٹانے کا وعدہ کر رہے ہیں، سرفروشی اور جاں فگنی کا یہ روح پرور منظر چشم فلک نے اپنی تخلیق سے لے کر آج تک کب دیکھا ہوگا، ان پاک طینت عشاق کے جذبۂ ایثار کو دیکھ کر عالم بالا کے مکینوں کو وجد آ گیا ہوگا۔

کائنات کے خالق و مالک اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور ان کے غلاموں کے رب نے بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے غلاموں کی اس جاں فروشی کو قبول فرما لیا۔ بحکم پروردگار روح الامین علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور شمع جمال مصطفیٰ کے پروانوں کو یوں مژدہ جاں فزا سنایا: اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ ﴿الفتح۱۰﴾ اور فرمایا: لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ یُبَایِعُوۡنَکَ تَحۡتَ الشَّجَرَۃِ ﴿الفتح۱۸﴾ ان آیات میں ایک طرف خداوند قدوس نے اپنی رضا و خوشی کا اعلان فرمایا تو دوسری طرف اپنے محبوب کے دست کرم کی عظمت اجاگر فرما دی کہ میرے محبوب کے ہاتھ میں ہاتھ دینا گویا دست قدرت نے تمہیں اپنی پناہ میں لے لیا ہے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ کی یہ عظمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ کو "ید اللہ" فرمایا ہے، کائنات میں کوئی ایسا ہاتھ ہے جسے ید اللہ کہا گیا ہو؟ یقیناً ہمارے نبی کے سوا اور کسی کا ہاتھ پوری کائنات میں اس شان کا حامل نہیں۔

**حضرت عثمان کی عظمت**: اب آپ حضرت عثمان کی عظمت سمجھیں کہ حضرت عثمان مکہ میں تھے، سرکار کے ہاتھ پر بیعت نہ کر سکے، لیکن سرکار نے انہیں محروم نہیں چھوڑا، بلکہ اپنے داہنے ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دیتے ہوئے دوسرے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور یہ حضرت عثمان کی بیعت ہوگئی، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لوگوں نے اپنے ہاتھ حضور کے ہاتھ میں دے کر بیعت کی تھی لیکن حضرت عثمان کے لیے حضور نے اپنے ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ فرمایا تو حضرت عثمان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا دست مبارک اس سے اچھا تھا کہ لوگ خود اپنے ہاتھ حضور کے ہاتھ میں دے کر بیعت کر رہے تھے۔ (سنن الترمذی ابواب المناقب)

**غزوۂ تبوک**: ۹ ھ میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے غزوۂ تبوک کے لیے سفر فرمایا، اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ روم کے بادشاہ نے عرب میں پائی جانے والی اسلام مخالف قوتوں کے ساتھ مل کر مدینہ طیبہ پر سخت حملے کی تیاری کی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جب اس کے اس خبیث ارادے پر مطلع ہوئے تو آپ نے آگے بڑھ کر اس پر حملہ کرنا مناسب سمجھا۔(الکامل فی التاریخ سنۃ تسع، ج ۲ ص:۱۴۹)

اس غزوے کی مزید تفصیل ہم ضیاء القرآن سے پیش کر رہے ہیں:

مکہ جو اب تک کفر و شرک کا ناقابل تسخیر قلعہ بنا ہوا تھا، ۸ ھ میں فتح ہوا، اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے بے خانماں مہاجرین و انصار نے پھر حرم خلیل میں توحید کا پرچم لہرایا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ عرب کے بیشتر قبائل خود بخود آکر مشرف باسلام ہونے لگے۔ رفتہ رفتہ اسلام کا اثر و نفوذ جزیرۂ عرب کی سرحدوں کو عبور کر کے ہمسایہ ممالک میں بھی محسوس ہونے لگا، عرب خصوصاً حجاز کا بے آب و گیاہ خطہ کسی فاتح کے لیے اپنے اندر کوئی دلکشی نہیں رکھتا تھا، اسی لیے دائیں بائیں دو جابر سلطنتیں ہونے کے باوجود کسی نے اسکو زیر نگیں کرنے کی خواہش ہی نہیں کی۔ اسی وجہ سے یہاں کے داخلی حالات سے بھی انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعوت سے جو انقلاب رو پزیر ہو رہا تھا اس کی اطلاع وقتاً فوقتاً قیصر روم تک پہنچتی رہتی تھیں لیکن اس نے کوئی توجہ نہ دی، کیوں کہ اسے یقین تھا کہ یہ ایک داخلی معاملہ ہے اور اس میں اتنی تاب نہیں کہ کسی دن اس کے لیے بھی خطرے کا باعث بن سکے لیکن اسی اثنا میں چند واقعات رونما ہوئے جنھوں نے اسے نئی طاقت کی اہمیت کا احساس دلا دیا۔

دوسرے بادشاہوں کی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے بصریٰ کے حاکم شرحبیل کی طرف بھی دعوت اسلام دینے کے لیے اپنا مکتوب اپنے قاصد کے ہاتھ روانہ کیا لیکن شرحبیل نے اسے قتل کر دیا۔ ذات الطلع کے باشندے مدینہ طیبہ سے پندرہ مسلمانوں کو اپنے ہمراہ اس غرض سے لے آئے کہ وہ انہیں دین اسلام سکھائیں گے، لیکن انہوں

نے بھی غدر کیا اور مسلمانوں کو سوائے ایک کے سب کو شہید کر دیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان شہدا کا انتقام لینے کے لیے تین ہزار کی جمعیت حضرت زید بن حارثہ کی قیادت میں روانہ فرمائی۔ شرحبیل ایک لاکھ فوج لے کر مقابلہ کے لیے بڑھا، اور ہرقل کا بھائی تھیوڈور بھی ایک لاکھ کا لشکر جرار لے کر اس کی امداد کو پہنچا۔ تین ہزار مجاہدین کے سامنے اب دو لاکھ فوج صف بستہ تھی۔ مسلمان بھی کب ٹلنے والے تھے، جنگ شروع ہوئی یکے بعد دیگرے تین مسلمان جرنیلوں، زید بن ثابت، جعفر بن ابی طالب، اور عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جام شہادت نوش کیا۔

ان کے بعد حضرت خالد نے آگے بڑھ کر اسلام کا جھنڈا تھاما، اور اس بے جگری اور جاں بازی سے اپنے سے چھیاسٹھ گنا فوج کا مقابلہ کیا کہ ان کے دانت کھٹے کر دیے، اب ہرقل کی آنکھیں کھلیں کہ عرب کے جن صحرا نوردوں کو وہ خاطر میں نہیں لایا کرتا تھا ان کے بازو اتنے مضبوط اور ان کی تلواریں اتنی تیز ہیں کہ اس کی دو لاکھ فوج بھی انہیں شکست نہ دے سکی۔ انہی دنوں میں یہ واقعہ بھی ظہور پزیر ہوا کہ ہرقل کی عرب فوج کا ایک اعلیٰ افسر فروہ بن عمرو جذامی مشرف باسلام ہو گیا۔ ہرقل نے اسے اپنے دربار میں طلب کیا اور اسے کہا کہ یا تو اس نئے دین سے تائب ہو کر اپنا سابقہ مذہب (عیسائیت) اختیار کر لو ورنہ سر قلم کر دیا جائے گا۔ اس نے بڑی خوشی سے جان دے دی، لیکن اپنے ایمان سے دستکش ہونا گوارا نہ کیا۔ ان واقعات نے ہرقل کو چوکنا کر دیا اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ آج ہی مسلمانوں کی ہر لحظہ بڑھتی ہوئی قوت کو کچل دے گا۔ چناں چہ اس نے زور و شور سے جنگ کی تیاری شروع کر دی اور خود بڑھ کر مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے پر تولنے لگا۔

رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نگاہِ دور بیں دور افق پر نمودار ہونے والے فتنہ وفساد کے بادلوں کو کیسے نظر انداز کر سکتی تھی، چناں چہ حضور نے بھی شام پر چڑھائی کا عزم فرما لیا، حالات بڑے ناساز گار تھے، ملک میں عام قحط سالی کا دور دورہ تھا، گرمی کا موسم تھا، چلچلاتی دھوپ اور جھلسا دینے والی لو غضب ڈھا رہی تھی ریتلی زمین تانبے کی طرح تپ رہی

تھی۔صحابہ فرماتے ہیں: جب جہاد پر جانے کا حکم ہوا تو شدت کی گرمی تھی، باغات میں کھجوریں پک رہی تھیں، کھجوریں کھانے، ٹھنڈا پانی پینے، گھنے سایے میں بیٹھنے اور آرام کرنے کے دن تھے۔(ضیاء القرآن ج ۲،ص: ۱۷۴، ۱۷۳)

جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے غزوے کی تیاری کا حکم دیا خصوصاً مالی تعاون کی تلقین فرمائی تو اپنے آقا سے محبت کرنے والے مردانِ وفا کیش اپنا اپنا مال لے کر آقائے کریم کے قدموں میں ڈھیر کرنے لگے، یہاں تک کہ عورتوں نے اپنے کان کی بالیاں اور گلے کے ہار بھی بارگاہ نبی میں حاضر کردیے، اس موقع پر غنی وفقیر، امیر وغریب سارے ہی صحابہ نے نذرانہ مال ودل لٹانے کی پوری کوشش کی تھی، لیکن بعض جاں نثاروں کا معاملہ تو سب سے جدا اور الگ تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موقع پر اپنی پوری زندگی کی کمائی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر کردی تھی، مگر اس موقع پر جتنا مالی تعاون حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیش فرمایا تھا اتنا کوئی دوسرا صحابی پیش نہ کرسکا۔(ایضاً ملخصاً)

**حضرت عثمان کی فیاضی:** حضرت عبدالرحمن بن خباب رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں: میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا کہ آپ صحابہ کرام کو جیش عسرت سے متعلق مالی تعاون کی طرف رغبت دلا رہے تھے، حضور کا ارشاد سن کر حضرت عثمان اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم! میں اللہ کے راستہ میں سو اونٹ مع پالان دوں گا، حضور نے پھر ترغیب دلائی حضرت عثمان پھر اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کرتے ہیں یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم! دو سو اونٹ مع پالان میرے ذمہ ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے پھر رغبت دلائی حضرت عثمان پھر عرض کرتے ہیں یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم! تین سو اونٹ مع پالان اللہ کی راہ میں دوں گا، حضرت عبدالرحمن بن خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ حضور منبر سے نیچے تشریف لے آئے اور آپ فرما رہے تھے:"ما علیٰ عثمان ما عمل

بعدما علی عثمان ما عمل بعد" آج کے بعد عثمان کا کوئی عمل نقصان نہ دے گا۔

(سنن الترمذی ابواب المناقب)

حضرت عبداللہ بن سمرہ روایت کرتے ہیں: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک ہزار دینار لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے وہ دینار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی گود میں ڈال دیے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی گود میں دیناروں کو الٹ پلٹ کر رہے تھے اور فرما رہے تھے "ما ضر عثمان ما عمل بعد الیوم" آج کے بعد عثمان جو بھی عمل کریں گے انہیں نقصان نہ دے گا۔ (سنن الترمذی ابواب المناقب)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جیش عسرت کے وقت نو سو پچاس اونٹ اور پچاس گھوڑے پیش کیے تھے، اس طرح آپ نے ایک ہزار جانور پیش کیے، بلکہ حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ آپ نے ایک ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے پیش کیے تھے۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب حرف العین ص:۵۴۶)

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عثمان کے پاس جیش عسرت میں مدد کی خاطر کسی کو بھیجا تو حضرت عثمان نے دس ہزار دینا حضور کی بارگاہ میں حاضر کیے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف فرماتے ہیں: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سات سو اوقیہ سونا پیش فرمایا۔ (الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ج ۳، ص:۱۷)

**ایک اعتراض**: حضرت عثمان سے متعلق ذکر کردہ روایات میں بہت تضاد ہے کیوں کہ کہیں تین سو اونٹ کا ذکر ہے، تو کہیں نو سو پچاس اونٹوں کا ذکر ہے وغیرہ، لہٰذا یہ ساقط الاعتبار رہیں۔

**جواب**: حدیث کی باریکیاں سمجھنے والے لوگ جانتے ہیں کہ اس میں کوئی تضاد نہیں ہے کیوں کہ ساری روایات کے درمیان تطبیق کرنا ممکن ہے، وہ اس طور پر کہ حضرت عثمان نے جیش عسرت کے موقع پر کئی مرتبہ مالی تعاون پیش فرمایا۔ پہلے تین سو اونٹ مع پالان

بارگاہ نبوی میں حاضر کیے۔ پھر سفر خرچ کے طور پر ایک ہزار دینار حاضر کیے۔ پھر جب آپ کو پتہ چلا کہ اتنے جانور کافی نہیں ہوں گے تو آپ اور جانور بڑھاتے چلے گئے، جب زاد راہ کم محسوس ہوا تو آپ نے مزید دینار عطا کیے لہٰذا اس میں کوئی تضاد نہیں۔

(الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج ۳،ص:۱۷)

**مجہز جیش عسرت:** ہماری ذکر کردہ روایات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر جتنا مال حضرت عثمان نے پیش فرمایا صحابہ میں کوئی اتنی بڑی مقدار میں مال دے کر لشکر اسلام کی مدد نہ کرسکا، اس لیے غزوۂ تبوک کی تیاری کا سہرا مسلمانوں نے حضرت عثمان کے سر پر باندھا ہے، یہی وجہ ہے کہ آج تک آپ کو مجہز جیش عسرت کے مبارک لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

**شانِ عثمان:** حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکرر، سہ کرر فرمایا: آج کے بعد عثمان جو بھی عمل کریں ان سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ اس فرمان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کھلی چھٹی دے دی ہے کہ حلال یا حرام جو مرضی آئے کرو، تم سے کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو حضرت عثمان کی صالحیت پر مکمل اعتماد تھا، اور آپ کو کامل یقین تھا کہ عثمان سے کوئی ناجائز اور حرام کام ہو ہی نہیں سکتا۔ یوں تو تمام خلفاے راشدین پر سرکار کو یقین تھا کہ ان میں سے کوئی شخص بھی ناجائز یا حرام کام نہیں کرے گا، اس لیے ان کو جنت کی بشارت دی تھی۔ لیکن یہ شرف اور مقام صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا کہ حضور نے اپنے اس یقین کا حضرت عثمان کے بارے میں برملا اظہار کردیا، کہ جاؤ جو مرضی آئے کرو تم سے کوئی نہیں پوچھے گا، کیوں کہ حضور جانتے تھے کہ حضرت عثمان تاحیات اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں کریں گے۔ سرکار کا یہ فرمان درحقیقت حضرت عثمان کی اطاعت شعاری اور وفاداری کی سند تھی، مستقبل کے تفکرات اور آخرت کے خطرات سے

محفوظ رکھنے کا سہرا تھا اور یہ ایسا سہرا تھا جو حضور نے تمام صحابہ میں سے صرف حضرت عثمان کے سر باندھا تھا۔(مقالات سعیدی ص:۱۹۹ تا ۲۰۰)

**کاتب وحی:** ابتدا میں ہم لکھ چکے ہیں کہ حضرت عثمان نے بچپن ہی میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا، دیانت وامانت اللہ تعالیٰ نے انہیں اعلیٰ درجہ کی عطا فرمائی تھی، لہٰذا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں یہ اعزاز بھی بخشا کہ عثمان کو کاتبین وحی میں شامل کرلیا۔ وحی کی کتابت کوئی معمولی منصب نہیں یہ منصب حاصل ہونا گویا عظمت و بزرگی کا تاج مل جانا ہے جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عثمان کے کاتب وحی ہونے کو ان کی عظمت وقبولیت کی دلیل بنایا۔

ایک خاتون نے آ کر ام المومنین سے عرض کیا کہ آپ عثمان کے بارے میں کیا کہتی ہیں؟ لوگ ان کے بارے میں طعنہ کشی کرتے ہیں۔ اس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: اللہ اس پر لعنت فرمائے جو حضرت عثمان پر لعنت کرے۔ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ آپ اپنی فخذ (ران مبارک) حضرت عثمان سے ٹکائے ہوئے تھے، اور میں حضور کے چہرۂ انور سے پسینہ صاف کررہی تھی، اور حضور نے ان کے عقد میں یکے بعد دیگرے دو بیٹیاں عطا فرمائیں۔ وحی نازل ہو رہی تھی اور فرمارہے تھے اے عثمان لکھو! حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں: اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی بارگاہ میں یہ مرتبہ اسی کو عطا فرمائے گا جو اللہ تعالیٰ کا مکرم بندہ ہوگا۔

(مسند احمد بن حنبل ج ۱۸، ص: ۱۷۰ حدیث ۲۶۱۲۵)

**بیعت وخلافت:** آپ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعۂ شہادت میں پڑھ چکے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی کو خلیفہ نامزد نہیں فرمایا بلکہ خلیفہ کے انتخاب کا حق ایک کمیٹی کے سپرد کردیا تھا، اسی کمیٹی نے کس طور پر خلیفہ کو منتخب فرمایا، اس کو ہم بخاری شریف کی پیش کردہ حدیث کے بقیہ حصہ کے ذریعہ بیان کررہے ہیں:

جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دفن سے فراغت ہوگئی، تو مذکورہ بالا افراد اکٹھا

ہوئے اور حضرت عبدالرحمن نے ان لوگوں سے کہا تم لوگ اپنا حق اپنے میں سے تین کو دے دو۔اس پر زبیر نے کہا: میں نے اپنا حق علی کو دے دیا، اور طلحہ نے کہا کہ میں نے اپنا حق عثمان کو دیا۔اور سعد نے کہا کہ میں نے اپنا حق عبدالرحمن بن عوف کو دیا۔اب عبدالرحمن نے علی اور عثمان سے کہا: تم دونوں میں سے جو شخص کنارہ کش ہوگا ہم اسی کو سپرد کردیں گے۔ پھر وہ اللہ کو گواہ بنا کر اور اسلام کی ترقی کو سامنے رکھ کر اپنے جی میں ضرور غور کرے کہ کون افضل ہے؟ دونوں حضرات خاموش رہے۔اس پر عبدالرحمن نے کہا کیا آپ لوگ اسے میرے سپرد کرتے ہیں؟ بخدا میں یہی کوشش کروں گا کہ آپ لوگوں میں جو افضل ہو اسی کو میں دوں۔ان دونوں حضرات نے فرمایا: ہاں۔اس کے بعد انہوں نے ان میں سے ایک کا ہاتھ پکڑا اور کہا آپ کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے جو رشتہ داری ہے اور اسلام میں جو سبقت ہے وہ آپ جانتے ہیں۔اللہ آپ کا سب حال جانتا ہے۔اگر میں آپ کو امیر بناؤں تو آپ ضرور انصاف کریں گے اور اگر میں عثمان کو امیر بناؤں تو آپ یقیناً ان کی بات سنیں گے اور مانیں گے۔اس کے بعد خلوت میں جا کر دوسرے سے وہی بات کہی۔جب پختہ عہد لے لیا تو کہا اپنا ہاتھ بڑھاؤ اے عثمان! اور ان کی بیعت کی، پھر حضرت علی نے ان کی بیعت کی اور اہل مدینہ اندر داخل ہوئے اور سب نے ان کی بیعت کی۔

(صحیح البخاری کتاب المناقب)

حضرت شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ اس پر تبصرہ فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

اس وقت جو صورت حال تھی اس کے پیش نظر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے از خود کسی کو ولی عہد بنانا پسند نہیں فرمایا۔اور ایک مجلس شوریٰ بنادی جس میں سبھی عشرۂ مبشرہ کے افراد تھے۔سبھی انتہائی ذہین وفطین، اسلام اور مسلمانوں کے مخلص، سابقین اولین میں سے تھے۔جن پر اس وقت بھی اور آج بھی پوری امت کا اعتماد تھا اور ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک طرف عوام سے مل کر ان کا رجحان معلوم

کرتے رہے، اور دوسری طرف خود بھی غور و خوض کرتے رہے۔ انہوں نے ان دونوں باتوں سے یہی اندازہ لگایا کہ حضرت عثمان کو خلیفہ بنایا جانا ہی ضروری ہے۔ اس لیے انہوں نے بڑی خوبصورتی سے پہلے اپنے حق سے خود دست برداری کر لی۔ پھر حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص سے بھی دست برداری کا اقرار کرا لیا۔ اور انتخاب کا حق سب سے پہلے اپنے لیے لے لیا کہ جسے وہ منتخب کر دیں اسے سب تسلیم کر لیں اس طرح انہوں نے بڑی خوبصورتی اور دانشمندی سے اس اہم معاملے کو طے کیا۔ (نزہۃ القاری ج ۷، ص: ۱۲۳)

**تاریخ بیعت**: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت پیر کے دن عمل میں آئی جبکہ ذی الحجہ ۲۳ھ کی صرف ایک رات باقی تھی۔ آپ نے یکم محرم الحرام ۲۴ھ کو امور خلافت سنبھال لیے، جب آپ اپنا پہلا خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے حمد وثنا کے بعد فرمایا: اے لوگو! پہلی مرتبہ سواری پر سوار ہونا دشوار ہوتا ہے آج کے بعد بہت سارے دن ہیں اگر میں زندہ رہا تو ان شاء اللہ آپ سے خطاب کروں گا، اور میں کوئی خطیب نہیں ہوں، مجھے امید ہے کہ عنقریب میرا مولیٰ مجھے خطاب سکھا دے گا۔

(طبقات ابن سعد ج ۳، ص: ۵۹ تا ۶۰)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تدفین کے تین دن بعد عمل میں آئی تھی اور الاستیعاب وغیرہ کتب میں بیعت کا دن یوم السبت (ہفتہ) بیان کیا گیا ہے۔ (الاستیعاب ص: ۵۴۷، اسد الغابہ ج ۳، ص: ۵۸۵)

البدایہ والنہایہ کے مصنف نے تاریخ بیعت کے سلسلہ میں کئی اقوال نقل کیے ہیں۔ بعض اقوال کو انہوں نے غریب اور اغرب قرار دیا ہے۔ ان کے انداز بیان سے ایسا لگتا ہے کہ ان کے نزدیک بیعت کی صحیح تاریخ ۳ر محرم الحرام ۲۴ھ ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۲۱۴)

**پہلا سنگین مقدمہ**: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ابھی تخت خلافت پر متمکن بھی نہیں ہوئے تھے کہ ایک عظیم مقدمہ ان کے انتظار میں تھا، امور خلافت سنبھالتے ہی اس مقدمہ نے آپ کا استقبال کیا، مقدمہ بڑا نازک تھا اور سنگین بھی، اس مقدمہ کی حقیقت یہ ہے کہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرنے والا ابولؤلؤ فیروز تھا جس نے خودکشی کر لی تھی لیکن مدینہ شریف میں یہ بات بحث کا باعث بن گئی کہ ابولؤلؤ اگر چہ حملہ کرنے میں تنہا ہے لیکن قتل کی سازش رچنے میں دوسرے لوگ بھی شریک ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبیداللہ کو یہ خبر ملی کہ ابولؤلؤ کو اس خبیث عمل کی طرف مائل کرنے میں ایک حفینہ نامی نصرانی ہے اور دوسرا ہرمزان صاحب تستر ہے۔ لہٰذا حضرت عبیداللہ نے جوش غضب میں ہرمزان اور ابولؤلؤ کی ایک بیٹی پر حملہ کر کے تینوں کو قتل کر ڈالا۔

البدایہ والنہایہ کی راویت کے مطابق حضرت عمر ہی نے انہیں قید کرنے کا حکم دیا اور فیصلہ بعد والے خلیفہ کے حوالہ کر دیا۔ جبکہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ حضرت سعد ابن ابی وقاص نے انہیں پکڑ کر اپنے گھر میں قید کر دیا۔ بہر حال اب مقدمہ حضرت عثمان کی عدالت میں تھا، آیا یہ کہ حضرت عبیداللہ کو ان کے قصاص میں قتل کر دیا جائے یا انہیں چھوڑ دیا جائے۔ اگر قتل کیا جاتا ہے تو کل باپ کے دفن سے فراغت ہوئی ہے اور آج ان کا لخت جگر تلوار کی بھینٹ چڑھ جائے گا، اور اگر یوں ہی چھوڑ دیا جاتا ہے تو اسلام کے قانون کے ساتھ دورخی پالیسی ہوگی۔ جب مرضی پڑے، تو ضعفاء اور گم نام لوگوں پر قانون نافذ کر دیا جائے اور جب قانون کی زد میں کوئی بھاری بھرکم اثر ورسوخ والی شخصیت آجائے تو اسے یوں ہی چھوڑ دیا جائے۔ معاملہ کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجلس شوریٰ منعقد کی۔ مشیر حضرات بھی مشوروں میں دو طرف منقسم ہو گئے ایک فریق چاہتا تھا کہ عبیداللہ کو قتل کیا جائے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مشورہ تھا اور دوسرے مہاجرین کا مشورہ تھا کہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ کل حضرت عمر کو شہید کر دیا گیا ہے اور آج ان کے بیٹے کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ اس پر حضرت عمرو بن عاص نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین یہ معاملہ آپ کے خلیفہ بننے سے پہلے کا ہے اور آج آپ کو ولایت حاصل ہے۔ اس وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بڑا عمدہ فیصلہ سنایا۔ آپ نے فرمایا: میں اس مسئلہ کو دیت میں تبدیل کرتا ہوں، اور میں عبیداللہ کا ولی ہونے کی حیثیت سے ان کی طرف سے

دیت ادا کرتا ہوں۔ آپ نے اپنے ذاتی مال سے مقتول کی دیت ادا کی۔

(الکامل فی التاریخ ج ۲ ص: ۴۶۷، البدایہ والنہایہ ۱۰ ص: ۲۱۷)

**حکام کی طرف خطوط:** تخت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد آپ نے امراء اور حکام کی طرف خطوط روانہ فرمائے۔ یہ حکام یا تو کسی شہر کے والی تھے، یا جنگی امور کے ذمہ دار تھے، یا نماز پڑھانے پر مامور تھے، یا پھر کسی بیت المال کے امین تھے۔ آپ نے انہیں نیکی کرنے کا حکم دیا اور برائیوں کے ارتکاب سے منع فرمایا تھا۔ اللہ جل مجدہ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کی تاکید فرمائی تھی اور قرآن وسنت پر عمل پیرا ہونے اور بدعات سے مجتنب رہنے کا حکم دیا تھا۔

اسی سال آپ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر کے ان کی جگہ حضرت سعد بن ابی وقاص کو کوفہ کا گورنر منتخب فرمایا، بطور عامل یہ پہلی تقرری تھی جو آپ نے خلیفہ بننے کے بعد انجام دی۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص: ۲۱۸)

**حضرت عمرو بن عاص کی معزولی:** ۲۷ھ میں آپ نے امیر مصر حضرت عمرو بن عاص کو معزول کر دیا، اور ان کی جگہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو وہاں کا امیر منتخب فرمایا۔

(ایضاً ۲۲۵)

حضرت عمرو بن عاص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت سے ہی مصر کے والی تھے اور حضرت عمر کو بھی ان سے قلت آمدنی کی شکایت تھی۔ حضرت عثمان نے اپنے دور خلافت میں خراج کا معاملہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے حوالے کر دیا اور دوسرے امور حضرت عمرو بن عاص سے متعلق رہے لہٰذا دونوں ایک دوسرے کی شکایتیں دربار خلافت میں پہنچاتے رہتے، اس پر حضرت عثمان نے حضرت عمرو بن عاص کو ان کے عہدے سے معزول کر دیا اور ابن ابی سرح کو مکمل امارت سونپ دی۔ (عثمان بن عفان الفصل الثالث)

**دور عثمانی کی فتوحات:** حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور شیخین (ابوبکر وعمر) رضی اللہ عنہما کی سنت کے مطابق کار خلافت انجام دیتے تھے۔

آپ کے بارہ سالہ دور حکومت میں سلطنت کا دائرہ وسیع ہو گیا تھا۔ ۲۴ھ میں آپ نے آذربائیجان اور آرمینہ پر فوج کشی کر کے وہاں کے باشندوں کو مطیع کیا۔ ۲۵ھ میں طرابلس کو فتح کیا۔ ۲۶ھ میں الجزائر اور مراکش کے علاقے فتح کیے۔ ۲۸ھ میں بحرِ روم میں شام کے قریب قبرص کو بحری جنگ سے فتح کیا۔ ۳۰ھ میں طبرستان کو فتح کیا۔ ۳۳ھ میں قسطنطنیہ سے متصل علاقوں میں مرودر، طالستان، اور جوزجان کو فتح کیا۔ اسلامی فتوحات کا یہ سیلاب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد رک گیا، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے چھ سال تک تعطل رہا۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں فتوحات اسلامیہ کو ایک بار پھر نشأۃ ثانیہ حاصل ہوئی۔ (شرح صحیح مسلم ج۶ ص: ۹۴۳)

**خلافت کے اولین چھ سال:** حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بڑے ہی حلیم اور نرم مزاج انسان تھے جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مزاج کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کے سخت گیر انسان تھے۔ کہیں کہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سختی سے لوگ گھبرا جاتے تھے یہ بات حضرت عثمان کے اندر نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارہ سالہ دور خلافت کے ابتدائی چھ سال بڑی پزیرائی والے تھے۔ اس زمانہ میں آپ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ مقبولیت حاصل رہی لیکن آخری چھ سالوں میں یہ مقبولیت حاصل نہ رہ سکی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کچھ فیصلے جو انہوں نے اپنی صواب دید سے مصلحتاً کیے وہ لوگوں کی نظروں میں کھٹکنے لگے۔ اپنے قبیلے کے لوگوں کو حاکم بنانا۔ مروان کے لیے مصر کی آمدنی کا پانچواں حصہ ہبہ کر دینا، اپنے رشتہ داروں کی مالی امداد کرنا وغیرہ خاص طور پر بحث کا مرکز رہے جنہیں لے کر لوگوں نے آپ پر اعتراضات کیے۔

(طبقات ابن سعد ج۳، ص: ۶۰)

**اسلام میں سمندری فوج:** حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبرص پر سمندری راستے سے حملہ کرنے کی اجازت حضرت عمر فاروق اعظم سے کئی مرتبہ چاہی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے از راہ شفقت مسلمانوں کو سمندری جنگ سے منع فرما دیا، لیکن جب حضرت

عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو حضرت امیر معاویہ نے پھر اجازت چاہی تو آپ نے جنگ کی اجازت دی۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس جنگ میں شریک ہونے کے لیے کسی کو مجبور نہ کیا جائے، جو خوشی سے شامل ہونا چاہتا ہے اسے شامل کر لیا جائے۔ اجازت مل جانے کے بعد حضرت امیر معاویہ نے صحابۂ کرام کی جماعت کے ساتھ پہلا حملہ قبرص پر کیا اور اسے فتح کر لیا۔ اس جنگ میں حضرت ابوذر، عبادہ بن صامت، شداد بن اوس اور حضرت ابو درداء شریک تھے۔ (تاریخ الخلفاص:۱۲۳، نزہۃ القاری ج۶ ص:۱۵۹)

**جامع القرآن:** آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تذکرہ میں جمع قرآن سے متعلق پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کو مصحف کی شکل میں جمع کروادیا تھا۔ اس لیے آپ کو جامع القرآن کہا جاتا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی جامع آیات قرآن کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے لوگوں کو اس بات پر جمع کر دیا کہ سارے لوگ ایک ہی قرأت میں قرآن مجید کو پڑھیں جس کی تفصیل بخاری شریف کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن میں اور اس کے سوا کثیر کتب احادیث و تاریخ میں موجود ہے لیکن ہم یہاں وضاحت اور قارئین کی ضیافت کے لیے تفسیر ضیاء القرآن کے مقدمہ کا ایک اقتباس پیش کر رہے ہیں مصنف رقم طراز ہیں:

یہ امر مخفی نہیں کہ قرآن کے اولین مخاطب اہل عرب تھے جن کی مادری زبان عربی تھی۔ اگرچہ سب قبائل کی مشترکہ زبان عربی ہی تھی لیکن ان کے لہجوں میں، تلفظ الفاظ میں اور بعض اعراب میں بین تفاوت تھا۔ یہ صورتِ حالات ہر زبان میں ہوتی ہے۔ جس علاقہ میں اردو بولی جاتی ہے وہاں کے ہر ضلع بلکہ ہر تحصیل کے لوگوں کے لب ولہجہ میں کافی فرق پایا جاتا ہے، ابتدا میں مختلف قبائل کی سہولت کے پیش نظر انہیں ان کے مخصوص انداز کے مطابق قرأت قرآن کی اجازت دے دی گئی تھی، کیوں کہ سب اہل زبان تھے اس لیے ایسے تفاوت سے کوئی غلط فہمی پیدا نہیں ہوتی تھی لیکن فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوا، تو اور دوسرے ممالک قلمروِ اسلامی کا حصہ بن گئے اور وہاں کے باشندوں نے اسلام قبول کیا،

قرآن مجید پڑھنا شروع کیا لہٰذا ہر ایک نے قرآن کے فقط اسی لہجہ اور تلفظ کو صحیح یقین کیا جو اسے اس کے استاذ نے سکھایا تھا۔ اس طرح مختلف اساتذہ کے شاگردان اختلافات کے باعث ایک دوسرے کی تغلیط کرنے لگ گئے اور فتنہ وفساد کی آگ آہستہ آہستہ سلگنے لگی۔ اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت عثمان کی خلافت کے زمانہ میں حضرت حذیفہ کے سامنے پیش آیا جس نے آپ کو حیران اور سراسیمہ کر دیا۔ حضرت حذیفہ جنگ ارمینہ میں شریک تھے۔

عراق اور شام کے نومسلم بھی اس جنگ میں شرکت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ ہر ایک نے اپنے معلم کی سکھائی ہوئی قرأت کے مطابق قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ جس سے باہمی نزاع پیدا ہو گیا۔ ہر ایک نے دوسرے کی تغلیط کی اور اسے محرف قرآن کہا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ ماجرا اپنی آنکھوں سے دیکھا تو انہیں سخت فکر دامن گیر ہوئی۔ چناں چہ آپ مدینہ منورہ واپس آئے اور اپنے گھر جانے سے پہلے امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی "ادرك هذه الامة قبل ان تهلك" اس امت کی چارہ سازی کیجیے اس سے پیشتر کہ یہ ہلاک ہو جائے، اور پھر سارا ماجرا کہہ سنایا اور کہا "انی اخشی علیھم ان یختلفوا فی کتابھم کما اختلف الیھود والنصاری" یعنی مجھے اس بارے میں سخت اندیشہ ہے کہ کہیں یہ بھی یہود ونصاری کی طرح اپنی کتاب میں اختلاف نہ کرنے لگیں۔

قرآن کریم کا نزول لغت قریش کے مطابق ہوا تھا محض آسانی اور سہولت کے پیش نظر دوسرے قبائل کو اپنے اپنے لب ولہجہ میں اس کی تلاوت کی اجازت دی گئی تھی لیکن اب رخصت ایک عظیم فتنہ کا باعث بن رہی تھی۔ ان حالات میں اس کو برقرار رکھنا سراسر نقصان دہ اور مضر تھا چنانچہ صحابہ کرام کے مشورہ سے حضرت عثمان نے حضرت زید بن ثابت کو حکم دیا کہ قرآن کریم کا ایک نسخہ صرف لغت قریش کے مطابق لکھیں۔ وہ تیار کر چکے تو اس کی متعدد نقلیں تیار کر کے مختلف دیار وامصار میں بھیجی گئیں، اور لوگوں کو اس کی پابندی کا سختی سے حکم دیا گیا اور دوسرے تمام نسخوں کو ممنوع قرار دے دیا گیا۔ اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ

عنہ کی سعی و کوشش سے ایک مہلک ترین فتنہ کا سد باب ہو گیا۔ امت اسلامیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس احسان کا شکر یہ ادا نہیں کر سکتی۔ اسی وجہ سے آپ کو جامعِ آیاتِ قرآن کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لب ولہجہ کے تفاوت اور قرأتوں کے اختلاف کی نوعیت بیان کر دی جائے تا کہ اس کے متعلق کوئی وسوسہ دل میں نہ رہ جائے۔ چند مثالیں ذکر کر دینے سے ان امور کی حقیقت واضح ہو جائے گی اور پتہ چل جائے گا کہ یہ اختلاف معمولی قسم کا تھا۔ مثلاً قریش حتی (جب تک) کہتے اور بنی ہذیل اور بنی ثقیف اس کا تلفظ اتی (تا پر تشدید کے ساتھ) کیا کرتے۔ بنی اسد مضارع میں حروف اتین کو مکسور پڑھا کرتے، جیسے تِعلمون اور قریش کی لغت میں حرف اتین" مفتوح ہیں تَعلمون۔ مصر میں اب بھی عام لوگ اپنی گفتگو میں حروف اتین" کو کسرہ دیا کرتے ہیں۔ قریش کی لغت میں ماءٍ غیرِ آسن ہے۔ لیکن بنو تمیم اسے ماءٍ غیرِ یاسنِ پڑھتے۔

ان امثلہ سے معلوم ہو گیا کہ یہ اختلاف کس نوعیت کا تھا۔ لیکن قرآن کا تقدس اور اس کی عظمت اتنے معمولی سے اختلاف کی بھی متحمل نہیں، اس لیے اس کو بھی ممنوع قرار دے دیا گیا۔ چناں چہ وہی قرآن جو عرش عظیم کے رب نے اپنے محبوب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل فرمایا تھا، اور جس کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خالص قریشی لغت کے مطابق جس میں اس کا نزول ہوا تھا ایک صحیفہ میں مدون فرمایا، وہی قرآن جوں کا توں بغیر کسی تحریف کے، بغیر کسی معمولی تغیر کے، بغیر کسی ادنیٰ ردوبدل کے اب تک محفوظ ہمارے پاس موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔ اور اس کا اعتراف دوست اور دشمن سب کو ہے۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۱ ص ۱۴، ۱۳)

**حدوثِ فتن:** امام بخاری اور امام مسلم رضی اللہ عنہما دونوں نے اس حدیث کو روایت فرمایا ہے:

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم حضرت عمر فاروق کے پاس بیٹھے

ہوئے تھے کہ حضرت عمر نے فرمایا: فتنوں کے بارے میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ حضور کا قول کس کو یاد ہے؟ حضرت حذیفہ نے عرض کیا، مجھے (حضرت حذیفہ نے کچھ بیان فرمایا: اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میری مراد یہ نہیں ہے) پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بلکہ میری مراد ''الفتنۃ التی تموج کما یموج البحر'' میں اس فتنہ کے بارے میں پوچھ رہا ہوں جو سمندر کی موجوں کی طرح اٹھے گا۔ اس پر حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے امیر المومنین! اس سے آپ کو کوئی ضرر نہیں ہوگا۔ اس کے اور آپ کے درمیان بند دروازہ ہے۔ فرمایا بند دروازہ کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا؟ عرض کیا توڑا جائے گا، تو حضرت عمر نے فرمایا: تو پھر کبھی بند نہ کیا جا سکے گا۔

(صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ)

دروازہ توڑے جانے سے مراد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہے۔ جس کی تصدیق تاریخ کی ایک ایک سطر کر رہی ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اسلام کا کلمہ متحد تھا، مسلمان شیر و شکر تھے، نہ کوئی مذہبی اختلاف تھا، نہ کوئی سیاسی تنازع، ان کی شہادت کے بعد ہی سے جو فتنے پیدا ہونے شروع ہوئے تو آج (تقریباً) چودہ سو برس ہو گئے ختم ہی نہ ہوئے، ختم کیا ہوں گے ایک فتنہ کچھ سرد پڑتا ہے تو دوسرا سر اٹھاتا ہے جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے ''کما یموج البحر'' اس سے مراد یہ ہے کہ وہ کسی کے قابو میں نہ ہو گا اور جیسے سمندر کی ایک موج دوسرے سے ٹکراتی ہیں، یہ بھی ایک دوسرے سے ٹکراتے رہیں گے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ صحابہ کرام بھی علم غیب رکھتے تھے حتی کہ یہ بھی تفصیل جانتے تھے کہ مستقبل میں کیا ہونے والا ہے۔ (نزہۃ القاری ج ۳، ص: ۱۴)

حدیث پاک اور اس کی مختصر تشریح کے ذریعہ ہمارے قارئین نے یہ سمجھ لیا ہوگا کہ حضرت عمر کی ذات حدوث فتن کے خلاف مضبوط چٹان تھی۔ حضرت عمر کی شہادت ہوتے ہی وہ چٹان پاش پاش ہو چکی تھی جو فتنوں کے لیے رکاوٹ تھی اب فتنوں نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا تھا، اور حضرت عثمان کے آخری دور میں یہ فتنے اپنے شباب پر پہنچ چکے تھے اور

آخر میں یہی فتنے حضرت عثمان کے لیے پیغام اجل ثابت ہوئے، اور آپ کی شہادت کا سبب بنے۔ اب ہم اختصار کے طور پر حضرت عثمان کے دور میں اٹھنے والے فتنوں کے اسباب ذکر کر رہے ہیں:

**فتنہ اور اس کے اسباب:** حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت کے آخر میں ان کے خلاف بعض لوگوں نے شورش پیدا کردی اور فتنہ وفساد کا ایک سیلاب امڈ پڑا۔ اس شورش کے اسباب یہ تھے۔

(۱) اس وقت کابل سے لے کر مراکش تک تمام علاقہ مسلمانوں کے زیر نگیں تھا۔ جس میں سیکڑوں قومیں آباد تھیں، ان محکوم قوموں میں فطرۃً مسلمانوں کے خلاف جذبہ انتقام موجود تھا لیکن مسلمانوں کی قوت اور سطوت کے مقابلہ میں وہ بے دست و پا تھے اس لیے انہوں نے سازشوں کا جال پھیلایا جن میں یہودی اور مجوسی سب سے آگے تھے۔

(۲) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے چند مناصب پر اموی خاندان کے افراد کو مقرر کیا تھا ان میں سے حضرت معاویہ بن ابی سفیان اموی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت سے شام کے گورنر تھے۔ حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح عامری (صحابی) عامل مصر اور عبداللہ بن عامر بن کریز اموی (صحابی) عامل بصرہ تھے اور مروان بن الحکم کاتب تھے۔ ان چار کے علاوہ دو اموی عاملوں کو مقرر کر کے آپ نے انہیں معزول کر دیا جن میں سے ایک ولید بن عقبہ اور دوسرے سعید بن العاص تھے۔ یہ تھے کل اموی افراد جن کے بارے میں مخالفین نے تہلکہ مچادیا کہ حضرت عثمان نے کنبہ پروری اور اقربا نوازی کر کے اپنے خاندان کے افراد کو حکومت کے عہدے سونپ دیے، اور یہ کسی نے نہیں دیکھا کہ ان کے علاوہ تقریباً بیس جگہ بلاد اسلامیہ میں گورنری اور دیگر اہم عہدوں پر سب غیر اموی افراد مقرر تھے، نہ یہ کسی نے سوچا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانہ میں اسّی فیصد عامل اموی خاندان سے لیے تھے۔ چناں چہ اٹھارہ علاقوں میں آپ نے اموی افراد کو مقرر کیا (طبری) پھر اگر پانچ عہدے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امویوں

کو تفویض فرمائے تو اس پر شورش اور ہنگامہ کھڑا کرنے کی کوئی اخلاقی اور شرعی وجہ نہ تھی۔

(۳) مجوسی چاہتے تھے کہ ایسا انقلاب پیدا کیا جائے جس میں ان کی مدد سے حکومت ایسے عام خاندان کی طرف منتقل ہو جائے جس سے وہ زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کر سکیں۔

(۴) یہودی چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں ایسا افتراق پیدا کر دیا جائے جس سے ان کی قوت پاش پاش ہو جائے۔ ان اغراض کے تحت ہر شخص اپنی اپنی کوشش میں مصروف تھا۔ اشتر نخعی، جندب، اور صعصعہ نے کوفہ کو اپنی شرارتوں کا مرکز بنایا۔ لیکن سب سے زیادہ خطرناک شخص ایک یہودی النسل نو مسلم عبداللہ بن سبا تھا جس نے اپنی حیرت انگیز سازشانہ قوت سے مختلف الخیال مفسدوں کو ایک مرکز پر متحد کر دیا۔ عبداللہ بن سبا کے پیروں کاروں کا طریقہ کار یہ تھا۔

(۱) بظاہر متقی اور پرہیزگار بننا اور وعظ و نصیحت سے لوگوں کو اپنا حلقہ بگوش کرنا۔

(۲) عمال کو تنگ کرنا اور ہر ممکن طریقہ سے ان کو بدنام کرنے کی کوشش کرنا۔ (۳) ہر جگہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اقربا پروری اور ناانصافی کی داستانیں مشہور کرنا۔ مفسدین کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کنبہ پروری کا اتہام بالکل بے بنیاد ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انتہائی امیر و کبیر شخص تھے۔ عہد رسالت میں آپ کی فیاضی کی مثالیں یادگار ہیں، آپ نے بیس ہزار درہم دے کر ایک یہودی سے میٹھے پانی کا کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ بیش بہا رقم خرچ کر کے مسجد نبوی کی توسیع کے لیے زمین خریدی اور بہت سے مواقع پر مسلمانوں کی اپنے مال سے خدمت کی۔ مفسدین کے اعتراض کے جواب میں آپ نے خود وضاحت فرمائی کہ میں اپنے اقربا کو جو کچھ دیتا ہوں اپنے ذاتی مال سے دیتا ہوں اور بیت المال کا مال نہ اپنے لیے حلال سمجھتا ہوں اور نہ کسی دوسرے شخص کے لیے۔

(تاریخ طبری ج ۳، ص: ۱۳۶)

ایک مشہور اعتراض یہ تھا کہ حکم بن العاص جس کو حضور نے مدینہ سے جلاوطن کر

دیا تھا۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں جلاوطن رہا لیکن حضرت عثمان نے اپنے دور خلافت میں اس کو مدینہ بلا لیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان نے حکم کی حضور سے سفارش کر کے اسے مدینہ بلانے کی منظوری لے لی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے چوں کہ یہ منظوری نہیں لی گئی تھی اور حضرت عثمان کے سوا اس پر اور کوئی گواہ نہ تھا اس لیے انہوں نے اپنے اپنے دور خلافت میں اس کو مدینہ نہیں بلایا۔ حضرت عثمان نے اپنے دور خلافت میں جو حکم کو مدینہ بلایا وہ اپنی مرضی سے نہیں بلکہ حضور کی مرضی سے بلایا تھا۔

ایک اور مشہور اعتراض یہ تھا کہ آپ نے طرابلس کے مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ مروان کو بلاعوض دے دیا تھا یہ سراسر لغو بہتان ہے۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

ابن الزبیر نے فتح کی بشارت اور مال غنیمت کا پانچواں حصہ دار الخلافۃ روانہ کیا اس مال کو مروان نے پانچ لاکھ دینار کے عوض خرید لیا اور بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ مال مروان کو مفت دے دیا گیا تھا۔ یہ صحیح نہیں ہے۔

**اصلاح کی کوشش:** حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلسل حالات کی اصلاح کی کوشش کر رہے تھے۔ حضرت طلحہ نے مشورہ دیا کہ ملک کے مختلف حصوں میں حالات کی تحقیق کے لیے وفود روانہ کیے جائیں۔ چناں چہ ۲۵ھ میں محمد بن مسلمہ کو کوفہ، اسامہ بن زید کو بصرہ، عمار بن یاسر کو مصر، عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شام اور بعض افراد دیگر صوبہ جات کی طرف روانہ کیے گئے، نیز پورے ملک میں گشتی اعلان جاری کر دیا گیا کہ میں عموماً حج کے موقع پر تمام حکام کو جمع کرتا ہوں اور جس حاکم کے خلاف کوئی شکایت پیش کی جاتی ہے تو فوراً تحقیق کر کے اس کا ازالہ کر دیتا ہوں اس کے باوجود بھی اگر کسی شخص کو کسی حاکم کے خلاف کوئی شکایت ہو تو مجھ سے برجستہ بیان کرے میں تحقیق کر کے مظلوم کا حق ظالم سے دلاؤں گا۔

**نوٹ:** ابن خلدون اور امام طبری نے بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان نے تحقیق کے لیے جس قدر صحابہ بھیجے تھے، عمار بن یاسر کے سوا سب واپس آ گئے۔ مصر میں عبداللہ بن سبا،

خالد بن ملجم، اور کنانہ بن بشر وغیرہ شر پسند موجود تھے۔ ان لوگوں نے عمار بن یاسر کو واپس نہیں آنے دیا، حتیٰ کہ یہ گمان کیا گیا کہ عمار بن یاسر ان لوگوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

(شرح صحیح مسلم ج۶ ص:۹۴۵، ۹۴۳)

**عمّال کا اجتماع**: ۳۵ھ میں حالات کی کشیدگی کو دیکھتے ہوئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عمال کو مشورے کے لیے طلب کیا تو حضرت امیر معاویہ، عمرو بن عاص، عبداللہ بن سعد، سعید ابن عاص، عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہم امیر المومنین کی بار گاہ میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان تمام حضرات سے پوچھا حدود خلافت میں یہ خلفشار کی شکایتیں کیوں کر سنائی دے رہیں؟ تو عمال نے عرض کیا: اپنے قاصدوں کے ذریعے خود تصدیق کر لی ہے اور آپ جانتے ہیں کہ عوام کی جانب سے کسی بھی قاصد کو انتظامی امور میں قابلِ ذکر چیز نظر نہیں آتی اور جو باتیں کانوں تک آتی ہیں وہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی اور جب تک کسی واقعہ کی شرعی تصدیق نہ ہو جائے اس وقت تک کسی کو کیسے موردِ عتاب وعذاب ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا: میں نے آپ حضرات کو اسی پریشانی سے نپٹنے کے لیے بغرض مشورہ طلب کیا ہے۔

بتاؤ آپ اپنے طور پر کیا مشورہ دینا چاہتے ہیں؟ اس پر حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یہ معاملہ بڑی پوشیدگی کے ساتھ انجام دیا جا رہا ہے اس کا علاج یہی ہے کہ اس معاملہ کو سختی کے ساتھ روکا جائے اور جو اس جرم میں گرفتار نظر آئے اسے قتل کر دیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: جن رائم کے لوگ مرتکب ہو رہے ہیں ان سے اس کا مواخذہ ضرور فرمایئے اور جو لوگ انعامات واحسانات کے مستحق ہوں انہیں اس سے نوازا جانا چاہیے یہی راہ میری رائے میں بہتر ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میرے یہاں حالات پر سکون ہیں وہاں کوئی شرارت دکھائی نہیں دیتی اور دونوں حضرات اپنے علاقہ کو بہتر جانتے ہیں۔ جہاں کے یہ والی ہیں ان کو ادب سکھانے کی آزادی ملنی چاہیے۔

حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: میری رائے میں آپ زیادہ نرمی سے کام لے رہے ہیں۔ آپ کو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما والا ہی طریقہ اپنانا چاہیے۔ نرمی کی جگہ نرمی اور سختی کی جگہ سختی۔

سب کے مشورے سن کر آپ نے فرمایا: جس فتنہ کا خوف اس امت پر کیا جا رہا ہے وہ سب کو ہو کر رہے گا جو دروازہ ابھی تک بند ہے وہ ضرور کھل کر رہے گا ہم اس کو نرمی اور موالات کے طور پر روکتے رہیں گے اور حدود اللہ کو پامال کرنے والوں سے کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔

اس کے باوجود بھی یہ دروازہ کھل جاتا ہے تو میں اس جرم سے بری ہوں اللہ بہتر جانتا ہے کہ میں نے لوگوں کی خیر خواہی میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے فتنہ کی جو چکی چل رہی ہے اس کی رفتار عثمان کی طرف سے بڑھے اس سے بہتر ہے کہ عثمان دنیا سے رخصت ہو جائے۔ پھر آپ نے اپنے عمال کو چند نصیحتیں کرنے کے بعد ان کی علاقوں کی طرف روانہ کر دیا۔

(الکامل فی التاریخ ج ۳، ص: ۴۸)

**شہادت کے اسباب**: حضرت ابن شہاب زہری فرماتے ہیں: میں نے حضرت سعید بن مسیب سے پوچھا کیا آپ وہ چیز بتا سکتے ہیں جس کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہوئی؟ امیر المومنین کے ساتھ لوگوں کا کیا سلوک تھا اور امیر المومنین کا لوگوں کے ساتھ کیا رویہ تھا اور صحابہ کرام نے آپ کا ساتھ کس لیے چھوڑ دیا تھا؟ حضرت سعید بن مسیب نے جواب دیا حضرت عثمان غنی شہید ہونے میں مظلوم ہیں، اور جس نے آپ کو شہید کیا وہ ظالم ہے اور جو لوگ آپ کی مدد نہ کر سکے وہ معذور ہیں۔ اس پر حضرت ابن شہاب نے عرض کیا یہ سب کیسے ہوا؟ ذرا تفصیل سے ارشاد فرمائیں۔ حضرت سعید بن مسیب تفصیلا بیان فرماتے ہیں: جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو سلطنت اسلامیہ کا والی مقرر کیا گیا، تو کچھ صحابہ کرام نے آپ کی خلافت کو اس لیے ناپسند کیا کہ آپ اپنی قوم سے شدید محبت فرماتے تھے، آپ نے اپنی بارہ سالہ مدت خلافت کے ابتدائی ایام میں ایسے افراد بنی امیہ کو والی نہیں بنایا جن کو شرف صحابیت حاصل نہ ہو، اگر کبھی آپ کے حکام کی

جانب سے ایسے امور سرزد ہوتے جن کو صحابہ کرام پسند نہ فرماتے اور لوگ ان کی شکایتیں کرتے، تب بھی آپ حکام کو معزول نہیں کرتے تھے (بلکہ امور میں سدھار کی تاکید فرما کر بات کو ختم فرمادیتے تھے) لیکن چھ سال کے بعد آپ کا رویہ تبدیل ہوا اور آپ نے اپنے خاندان والوں کو دوسروں پر ترجیح دی اور انہیں کو حاکم متعین کیا۔

مصر پر عبد اللہ بن ابی سرح کو والی بنایا، اور یہ چند سال تک وہاں کے والی رہے لیکن مصر والوں کو ان سے شکایت تھی، اور وہ لوگ ان کے خلاف دربار خلافت میں استغاثہ پیش کر چکے تھے اور اس سے پیشتر حضرت عثمان کو حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت ابوذر غفاری سے بھی شکایت تھی اور کچھ ناخوش گوار باتیں سامنے آچکی تھیں، اور بنوزہرہ، بنوغفار اور ان کے حلیف قبائل اور بنی مخزوم حضرت عثمان سے دل برداشتہ تھے۔ اسی اثنا میں مصر والے عبد اللہ بن ابی سرح کی شکایتیں لے کر حضرت عثمان کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ حضرت عثمان نے ایک خط والی مصر کو لکھا، جس میں انہیں صحیح طور پر اپنی ذمہ داری نبھانے کی سخت تاکید کی گئی تھی، لیکن والی مصر پر کوئی اثر نہ ہوا، بلکہ اس نے ان احکام کو پادر ہوا کرتے ہوئے لوگوں کے خلاف مورچہ کھول دیا، بلکہ بعض کو قتل کی دہلیز تک پہنچادیا اس واقعہ سے مصر کے حالات بڑے خستہ وخراب ہوگئے۔ اور سات سو افراد پر مشتمل ایک قافلہ عبد اللہ بن ابی سرح کے خلاف دادرسی کے لئے مدینہ شریف حاضر ہوا۔ یہ لوگ مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اجلہ صحابہ کرام سے اس معاملہ کی شکایت کی اور معاملہ میں مداخلت کرنے کی اپیل کی۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سارے لوگوں کی طرف سے نمائندگی کرتے ہوئے حضرت عثمان سے سخت لہجہ میں کلام فرمایا۔ آپ نے کہا کہ لوگ آپ سے ایک حاکم کی جگہ دوسرا حاکم بدلنے کی درخواست کررہے ہیں حالانکہ اس سے قبل لوگ اس حاکم پر قتل کا الزام عائد کر چکے ہیں تو آپ اس حاکم کو معزول کیوں نہیں کردیتے اور اگر اس حاکم کے خلاف فرد جرم ثابت ہوجائے تو لوگوں کو انصاف دینے میں آپ کو کون سی چیز مانع ہے۔

یہ سن کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے ارشاد فرمایا: میں یہ اختیار تم کو دیتا ہوں تم جس کو چاہو اپنا حاکم متعین کرلو۔ آپ کے اس فرمان کے بعد لوگوں نے محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا، آپ نے فوراً ہی محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں پروانہ ولایت تحریر فرما کر انہیں مصر کی گورنری کی سند عطا فرمادی۔ حضرت محمد بن ابی بکر چند لوگوں کے ساتھ مصر کے لیے روانہ ہوگئے۔ کچھ لوگ محض یہ منظر دیکھنے کے لیے روانہ ہوئے تھے کہ اب اہل مصر اور عبداللہ بن ابی سرح کے درمیان کیا معاملہ درپیش ہوگا۔ محمد بن ابی بکر اور ان کے ساتھی ابھی مدینہ شریف سے تین دن کی راہ طے کر پائے تھے کہ انہیں ایک مشکوک شتر سوار نظر آیا۔ (تاریخ الخلفاص:۱۲۵، الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج ۳، ص:۵۷)

**راہ میں مشکوک شتر سوار**: یہ ایک کالا غلام تھا جس کی چلت پھرت نے لوگوں کو شک میں مبتلا کردیا تھا، لہٰذا ان لوگوں نے اس کو پکڑ کر کچھ سوالات کیے اور اس سے کہا کہ تم یا تو بھاگے ہوئے ہو یا پھر کسی چیز کی تلاش میں ہو۔ اس غلام نے جواب دیا میں امیر المومنین کا غلام ہوں اور مجھے امیر المومنین نے والی مصر کے پاس ایک پیغام دے کر روانہ فرمایا ہے۔

اس بات کی خبر حضرت محمد بن ابی بکر کو دی گئی تو انہوں نے اس کو بلا کر چند سوالات کیے، تو کون ہے؟ اس کے جواب میں اس نے کبھی اپنے آپ کو حضرت عثمان غنی کا غلام ظاہر کیا، اور کبھی مروان کا غلام ہونا بتایا، اور کہا کہ میں والی مصر کے نام ایک پیغام لے کر جارہا ہوں تب لوگوں نے اس کی تلاشی لی، تو اس کے پاس سے کوئی خط تلاش بسیار کے باوجود بھی برآمد نہیں کیا جاسکا۔ آخر میں ایک پانی کا برتن (مشک) دیکھا گیا جس میں پانی نہیں تھا جب اس میں کچھ ہونے کا شبہ ہوا تو اس کو چیر کر دیکھا گیا تو اس میں ایک خط موجود تھا۔ یہ حالت دیکھ کر محمد بن ابی بکر نے اپنے مہاجرین اور انصار ساتھیوں کو جمع کیا۔ مجمع عام میں اس خط کو پڑھا گیا۔ خط میں تحریر تھا "جب تمہارے پاس محمد بن ابی بکر اور فلاں فلاں صاحبان آئیں تو کسی بہانے سے ان سب کو موت کے گھاٹ اتاردو، اور تم اپنے منصب پر برقرار رہو، اور میرے اگلے حکم کا انتظار کرو" خط کی عبارت سن کر لوگ حواس باختہ ہوگئے۔ اب وہ

لوگ مصر جانے کے بجائے محمد بن ابی بکر کے ساتھ مدینہ شریف کا رخ کر چکے تھے۔

اس خط کے بارے میں محمد بن ابی بکر نے دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے حفاظتی انتظام یہ کیا تھا، کہ خط پڑھنے کے بعد ان کے ساتھ جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ تھے ان سب سے خط کے اوپر تصدیقی مہر ثبت کروالی تھی اور کسی بھی ردو بدل کی گنجائش کو جڑ سے ختم کر دیا تھا۔ اور یہ خط ایک صاحب کی حفاظت میں دیا گیا تھا۔ اب سارے لوگ مدینہ منورہ پہنچ چکے تھے اور دربار محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ممتاز افراد حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرھم اصحاب رسول کو جمع کر لیا گیا، صحابہ کے مجمع کے سامنے اس خط کو پڑھ کر سنایا گیا اور اس غلام سے متعلق پورا واقعہ بیان کیا گیا یہ سب سن کر اہل مدینہ حضرت عثمان کے خلاف بھڑک اٹھے۔ اور حضرت ابن مسعود، حضرت ابوذر غفاری، حضرت عمار کی معزولی کے واقعات نے اس وقت وہی کام کیا تھا جو آگ میں ایندھن کا کام ہوتا ہے۔ اب سارے صحابہ اپنے اپنے گھروں کی طرف پلٹ چکے تھے اور دیگر بہت سارے لوگوں نے حضرت عثمان کا محاصرہ کر لیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بگڑی ہوئی صورت حال دیکھی تو آپ نے حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد، حضرت عمار اور ان کے سوا دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا یہ بتائیے کہ یہ غلام اور یہ اونٹ آپ کا ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ہاں یہ غلام اور اونٹ دونوں میرے ہیں، یہ جواب سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا یہ خط آپ نے تحریر فرمایا ہے؟

**حضرت عثمان کا انکار:** اس سوال کے جواب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قسم خدا کی نہ میں نے یہ خط لکھا ہے، اور نہ لکھنے کا حکم دیا ہے، نہ یہ بات میرے علم میں ہے اور نہ اس غلام کو مصر روانہ کیا ہے۔

اس وقت لوگوں نے تحریر پر غور وفکر کیا، اور یہ پہچاننے میں کامیاب ہو گئے، کہ یہ

تحریر مروان کی تحریر ہے، یہ عجیب اتفاق تھا کہ مروان اس وقت حضرت عثمان کے گھر میں موجود تھا، لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ وہ مروان کوان کے حوالے کر دیں، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس پر قتل کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے مروان کوان کے سپرد نہیں کیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے سے وہاں موجود تمام لوگ ناراضگی کے ساتھ واپس لوٹ آئے، واپس پلٹنے والے یہ تو جانتے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی قسم میں سچے ہیں لیکن وہ اس بات پر ضرور ناراض تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مروان کوان کے حوالے نہیں کیا۔(الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج ۳،ص:۵۷)

**لوگوں کا غصہ اور محاصرہ**: لوگ اس بات سے سخت ناراض ہوئے کہ آخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مروان کو ہمارے حوالہ کیوں نہیں کر رہے ہیں یہ ناراضگی اس حد تک جا پہنچی کہ لوگ ہر قیمت پر مروان کو اپنی گرفت میں لینا چاہتے تھے لہٰذا ان لوگوں نے محاصرے میں سختی پیدا کر دی، اور ایک بہت بڑا فیصلہ انہوں نے یہ لیا کہ (معاذ اللہ) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر پانی بند کر دیا جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر پانی بند کر دیا گیا تو آپ نے اپنے مکان سے جھانک کر لوگوں سے پوچھا کیا تم لوگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا نہیں، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پوچھا کیا تم لوگوں میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ موجود ہیں؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ہم میں سعد رضی اللہ عنہ بھی موجود نہیں ہیں یہ جواب سن کر آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہماری پیاس کی خبر دے دے کہ وہ ہمیں سیراب کرسکیں، یہ خبر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو موصول ہوئی تو آپ نے پانی سے بھرے تین مشکیزے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں بھجوائے، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پانی پہنچنا اتنا آسان نہ تھا، کیوں کہ لوگ ان تک پانی پہنچنے نہیں دینا چاہتے تھے۔ پانی پہنچانے اور روکنے کی کوشش میں بنو ہاشم اور بنو امیہ کے چند غلام بھی زخمی ہو گئے تب جا کر وہاں پانی پہنچایا جا سکا۔

(تاریخ الخلفا ص:۱۲۷)

**باغیوں سے حضرت عثمان کا خطاب:** اللہ رب پاک بے نیاز ہے، وہ قادر حکیم اور مالک ہے، اس کے فیصلوں کی حکمتیں وہی جانتا ہے، خود ارشاد فرماتا ہے "وَتِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ" زمانہ سب کے لیے ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا، یہ وہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں جن کی دولت نے نہ جانے کتنی مرتبہ اسلام کی ہچکولے کھاتی ہوئی کشتی کو سہارا دیا تھا، جن کی دولت سے غرباے اسلام کی مشکلیں حل کی گئیں تھیں، جنہوں نے اپنی دولت کو اسلام کی ترقی کے لیے قربان کردیا تھا، جنہوں نے اپنی دولت کو اپنے اوپر اتنی فراخ دلی سے کبھی صرف نہیں کیا جتنی کشادگی سے وہ اسلام اور فقرا مسلمین پر خرچ کرتے تھے، لیکن آج اسی ذات کو لوگوں نے اس کے گھر میں محصور کردیا تھا، نہ صرف محصور کردیا تھا بلکہ وہ اسے پانی تک نہیں دینا چاہتے تھے ایسے حالات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سینے میں جذبات کا جو تلاطم برپا ہوا ہوگا اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں لیکن شاید اہل دل کچھ درد محسوس کرسکیں اس لیے ہم آپ کا خطاب نقل کررہے ہیں:

آپ نے فرمایا: اے لوگو! میں تمہیں اللہ تعالیٰ اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو؟ کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ شریف تشریف لائے تو وہاں بیر رومہ کے سوا اور کہیں میٹھا پانی نہیں تھا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ کون ہے جو بیر رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کردے اور اس کے بدلے جنت میں اس سے بہتر چیز لے لے، تو میں نے اسے اپنے ذاتی مال سے خریدا (اور مسلمانوں کے لیے وقف کردیا) آج تم لوگ مجھے اس کنویں کا پانی پینے نہیں دیتے اور میں سمندر کا پانی پی رہا ہوں، سارے محاصرین نے جواب دیا تھا "الهم نعم" بیشک آپ نے سچ فرمایا۔ پھر آپ نے فرمایا: میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو؟ مدینہ شریف میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد نمازیوں پر تنگ ہوگئی تھی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کون ہے جو فلاں خاندان کی زمین خرید کر مسجد کو وسیع کردے اور جنت میں اس سے بہتر چیز لے لے، تو میں نے وہ زمین اپنے ذاتی مال

سے خرید کر مسجد میں وقف کر دی تھی، لیکن تم لوگ مجھے اس مسجد میں دو رکعت نماز بھی پڑھنے نہیں دیتے، باغیوں نے جواب دیا آپ نے سچ فرمایا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو؟ میں نے سخت تکلیف کے وقت میں اپنے مال سے جیش عسرت کے لیے سامان مہیا کیا تھا سب نے کہا آپ نے سچ فرمایا۔ آپ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ تعالیٰ اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو؟ ایک مرتبہ حضور پہاڑ پر تشریف فرما تھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے اور میں بھی آپ کے ساتھ حاضر تھا اس وقت پہاڑ ہلنے لگا تھا، یہاں تک کہ اس کے پتھر نیچے گرنے لگے تھے تب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پہاڑ پر ٹھوکر مار کر فرمایا تھا: اے پہاڑ! ٹھہر جا کیوں کہ تیرے اوپر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید سوار ہیں، محاصرین نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا، یہ سن کر آپ نے اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کی اور فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ لوگوں نے میرے حق میں گواہی دی ہے رب کعبہ کی قسم میں شہید ہوں۔

(سنن الترمذی کتاب المناقب، باب مناقب عثمان)

**باغیوں کی تعداد**: بلوائیوں اور باغیوں میں زیادہ تر تعداد ان لوگوں کی تھی جن کی تربیت ابن سبا اور اس کے گروہ نے کی تھی یہ فتنے میں مضبوط تھے اور ان پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تقریر کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ ان کی تعداد امام ابن عربی مالکی کے نزدیک تقریباً چار ہزار تھی۔ آپ فرماتے ہیں: "ولقد قتل عثمان وطالبوہ اربعۃ آلاف وفی المدینۃ اربعون الفا کلھم لا یرید قتلہ ویرید نصرہ" جن لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا وہ اپنے مطالبات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منوانا چاہتے تھے یہ صرف چار ہزار لوگ اور ان کے علاوہ مدینہ شریف میں چالیس ہزار وہ لوگ تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ ان کی مدد کرنا چاہتے تھے۔

(عارضۃ الاحوذی ج ۱۳، ص: ۱۵۶)

اور علامہ محمد بن سعد واقدی کی روایت کے اعتبار سے محاصرین میں چھ سو افراد مصر

والے تھے اور دوسو افراد کوفی تھے اور سو افراد بصرہ کے رہنے والے تھے۔

(طبقات ابن سعد ج ۳،ص:۶۸)

اس روایت کے مطابق مدینہ شریف کے باہر سے آنے والوں کی تعداد نوسو تھی اس میں مزید یہ کہا جا سکتا ہے کہ باغیوں میں ضرور کچھ لوگ مدینہ شریف کے شامل تھے تو اب یہ تعداد نوسو سے بڑھ جائے گی۔

علامہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں باہر سے آنے والے باغیوں کی تعداد تقریباً دو ہزار تحریر فرمائی ہے جو ماہر جنگجو تھے۔(البدایہ والنھایہ ج ۱۰،ص:۳۴۴)

علامہ غلام رسول سعیدی نے بھی ان کی تعداد تقریبا دو ہزار تحریر فرمائی ہے۔

(مقالات سعیدی ص ۲۰۵)

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ بلوائی خاصی تعداد میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کے ارد گرد جمع تھے۔

**حضرت عثمان مجرم نہیں تھے:** بعض ذہنوں میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ آخر اتنی بڑی تعداد امیر المومنین کے خلاف کیوں کر جمع ہو گئی تھی، ضرور امیر المومنین نے (معاذ اللہ) کسی جرم کا ارتکاب کیا ہو گا۔ تو ہم جواباً عرض کیے دیتے ہیں ایسا شبہ انہیں ذہنوں میں پیدا ہو سکتا ہے جو ذہن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق احادیث میں وارد نقوش سے غافل ہوں گے کیوں کہ اللہ و رسول کے فرامین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی برأت کے لیے بہت کافی ہیں، انہیں الگ سے کسی سرٹیفکٹ یا سند کی ضرورت نہیں، خاص طریقہ سے احادیث صحیح میں وارد یہ قول "بشرہ بالجنة علی بلوی تصیبہ" (صحیح البخاری کتاب المناقب) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات کو مظلوم ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے۔

حضرت امام ابن عربی مالکی اس قسم کے نصوص کو جمع کرنے اور نصوص کی صحت یا حسن بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "وھذہ کلھا نصوص تشھد ببرأ تہ" "یہ سارے نصوص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی برأت پر شاہد اور گواہ ہیں۔(عارضۃ الاحوذی ج ۱۳،ص:۱۵۶)

**حضرت عثمان لاچار نہیں تھے:** حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلوائیوں نے محصور کر رکھا تھا، یہ محاصرہ تقریباً چالیس دن تک جاری رہا، حتیٰ کہ آپ پر پانی تک بند کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں ہٹانے کے لیے کسی بھی انتقامی کاروائی کو انجام نہیں دیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مجبور ولاچار تھے یا ان کے پاس کوئی طاقت نہ تھی ایسا ہرگز نہیں بلکہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حلم تھا اور بلوائیوں کی کلمہ گوئی کا پاس تھا، ورنہ جو وسیع وعریض اسلامی سلطنت کا فرماں روا ہو جس کے زیر فرمان امیر معاویہ جیسے کئی زیرک ہوشیار اور شیر دل امرا ہوں، اگر وہ صرف اشارہ کر دیتا تو سلطنت کے کونے کونے سے اسلامی فوجیں آکر مدینہ شریف کو اپنا مستقر بنا لیتیں یقیناً ایسے خلیفہ پر لاچاری کا الزام عائد کرنا سراسر ناانصافی ہوگی، بلکہ معاملہ یہ ہے کہ ۔

رنج اعدا کا رضا چارہ ہی کیا ہے جب انہیں
آپ گستاخ رکھے حلم و شکیبائی دوست

آیئے اب پڑھیے یارانِ وفا شعار کی وفا شعاری

**صحابہ کرام کی پیش کش:** مشہور صحابیٔ رسول حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دولت کدے پر انصار کی جماعت کے ساتھ حاضر ہوئے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کی انصار کی جماعت آپ کے دفاع کے لیے دروازے پر حاضر ہے اجازت چاہتے ہیں، اور آپ کے حکم کے منتظر ہیں اگر آپ چاہیں تو وہ ایک مرتبہ پھر انصار کا کردار نبھانا چاہتے ہیں آپ نے جواب دیا آپ لوگوں کو قتال کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ (طبقات ابن سعد ج ۳،ص:٦٦)

حضرت ابن سیرین سے روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں اس وقت سات سو افراد موجود تھے ان میں حضرت امام حسن اور امام حسین، حضرت ابن عمر، اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم جیسے لوگ موجود تھے۔ اگر امیر المومنین نے ان حضرات کو اجازت دی ہوتی تو یہ لوگ خدا کے فضل سے بلوائیوں کو مار مار کر بھگا دیتے بلکہ حضرت

عبداللہ بن زبیر نے امیر المومنین سے عرض کیا تھا کہ اس وقت آپ کے گھر میں آپ کے مددگاروں کی ایک جماعت موجود ہے، اجازت دیں تو قتال شروع کیا جائے اس پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ہر اس انسان کو خدا کا خوف یاد دلاتا ہوں جو میرے بارے میں خون بہانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ (ایضاص:٦٧)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی محصوری کے زمانہ میں ان سے ملا، اور میں نے عرض کیا آپ امیر المومنین ہیں، اور آپ دیکھ رہے ہیں جو آپ کے ساتھ ہو رہا ہے، میں آپ کے سامنے تین باتیں پیش کر رہا ہوں ان میں سے کسی ایک کو منظور کر لیجیے۔ پہلی بات یہ ہے کہ آپ حق پر ہیں اور یہ باطل پر ہیں، اور آپ کے پاس طاقت وقوت سب موجود ہے لہٰذا آپ ان کا مقابلہ کر کے ان کو پسپا کر دیجیے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہم لوگ آپ کو خفیہ دروازے سے باہر کیے دیتے ہیں آپ سواری پر سوار ہو کر مکہ پہنچ جائیں، مکہ حرم ہے وہاں پر یہ لوگ آپ پر دست درازی نہیں کریں گے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ آپ ملک شام چلے جائیں، وہاں اہل شام اور بالخصوص حضرت معاویہ آپ کی حفاظت کے لیے کافی ہوں گے۔ آپ نے فرمایا: آپ کی پہلی بات اس لیے منظور نہیں ہے کہ میں امت کا پہلا ایسا خلیفہ نہیں بننا چاہتا ہوں جو اپنی جان کی خاطر خونریزی کرے اور دوسری بات اس لیے منظور نہیں کہ مجھے ان لوگوں سے امید نہیں ہے کہ یہ حرم شریف کا کچھ پاس ولحاظ رکھیں گے، مزید یہ کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ قریش کا ایک فرد مکہ میں الحاد کرے گا عالم کا نصف عذاب اللہ نے اس کے لیے خاص کر دیا ہے وہ فرد میں نہیں بننا چاہتا ہوں اور تیسری بات اس لیے منظور نہیں کہ میں دار ہجرت اور حضور کی ہمسائیگی کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ (مسند امام احمد بن حنبل ج ا ص: ٣٧٢ حدیث: ٤٨١)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا اے امیر المومنین! "طاب لنا الضرب" اب ہمارے لیے لڑنا حلال ہو گیا ہے (ہمیں اجازت دیں) آپ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! کیا تمہیں یہ پسند ہے تم مجھ سمیت تمام لوگوں کو قتل کر دو (مَنْ قَتَلَ

نَفۡسًۢا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِى الۡاَرۡضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيۡعًا ) ﴿المائدۃ ۳۲﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا نہیں، تو آپ نے فرمایا: اگر آپ نے (بغیر حکم شرعی کے) ایک آدمی کو بھی قتل کر دیا تو گویا کہ سارے لوگوں کو قتل کر دیا۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں یہ سن کر میں واپس آ گیا اور قتال نہیں کیا۔ (طبقات ابن سعد ج ۳، ص: ٦٦)

جب محاصرہ میں سختی ہوگئی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حاضر ہوئے، اور ان کے ساتھ میں مہاجرین کی ایک جماعت تھی، آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ بلوائی جنہوں نے آپ کے کاشانہٴ اقدس کو گھیر لیا ہے یہ وہی ہیں جنہیں ہم نے بزور شمشیر مسلمان بنایا تھا، اب بھی ان کی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ یہ ہمیں دیکھ کر کپڑوں میں پاخانہ کر دیں گے، ان کی یہ سب کارستانیاں اس لیے ہیں کہ یہ کلمہ پڑھتے ہیں اور آپ ان کی کلمہ گوئی کا پاس ولحاظ رکھتے ہیں، اگر آپ حکم دیں تو ہم انہیں انکی بھولی ہوئی حقیقت یاد دلا دیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم ایسی بات نہ کہو محض میری جان کی خاطر اسلام میں پھوٹ ہرگز نہ ڈالو۔ (تحفہ اثنا عشریہ باب دہم مطاعن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خطبات محرم ص: ۱۹۷)

**حضرت عثمان نے مدافعت کیوں نہیں کی:** حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے یا اپنے ساتھیوں سے اپنی ذات سے متعلق جو احادیث سن رکھی تھیں مثال کے طور پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنت کی بشارت دے دو ایک مصیبت پہنچنے کے بعد۔ ''یہ شخص فتنہ وفساد کے دن حق پر ہوگا، پہاڑ پر ایک نبی اور ایک صدیق اور دو شہید ہیں'' اور ان جیسی احادیث کو سن کر حضرت عثمان کو یقین ہو گیا تھا کہ شہادت ان کا مقدر بن گئی ہے، بلکہ وہ اسی ساعت کے انتظار میں تھے، اسی لیے جب ابوسہلہ نے ایام محاصرہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تو آپ نے فرمایا:

''ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم قد عہدا لیّ عہدا فانا صابر علیہ''، مجھ سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک عہد لیا تھا میں اس پر صبر کر رہا ہوں۔ (سنن الترمذی کتاب المناقب)

لہٰذا جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی شہادت کا یقین ہو گیا، تو اب کوئی بھی انتقامی کاروائی کرنا بے فائدہ ہوتا مزید مسلمانوں میں قتل وخوں ریزی کا سبب بنتا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حلم اور ان کی شان ایمانی کے منافی تھا۔

**صحابہ کی احتیاطی تدبیریں:** حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر موصول ہوئی کہ باغی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دینا چاہتے ہیں، لیکن معاً یہ خبر موصول ہوئی، کہ باغیوں کا کہنا ہے وہ حضرت عثمان کو قتل کرنا نہیں چاہتے، بلکہ وہ حضرت عثمان سے صرف مروان کا مطالبہ کر رہے ہیں، تقریباً یہی خبر تمام صحابہ کو حاصل تھی، پھر بھی صحابہ کرام نے احتیاطی اقدام کے طور پر حضرت عثمان کی حفاظت کے انتظام کر رکھے تھے۔ چناں چہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں شہزادوں حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کو ان کی تلواروں کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر سخت تاکیدی حکم کے ساتھ بغرض حفاظت متعین کر رکھا تھا، انہیں حکم تھا کہ ہرگز کوئی انسان دروازے کے اندر نہ جانے پائے، اور حضرت زبیر اور حضرت طلحہ نے بھی اپنے جگر پاروں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے لیے لگا رکھا تھا ان کے سوا اور بھی صحابہ کرام نے اپنے اپنے بیٹوں کو اس خدمت پر مامور کر رکھا تھا، باغی برابر مروان کا مطالبہ کر رہے تھے۔ انہوں نے مقصد کے حصول کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے پر پتھر برسانا شروع کیے، جس سے امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور محمد بن طلحہ دروازے پر زخمی ہو کر خون میں لت پت ہو گئے۔ گھر کے اندر مروان کو بھی ایک تیر لگا، اور باہر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک آزاد کردہ غلام بھی تیر کی زد میں آئے۔ (تاریخ الخلفاص: ۱۲۷)

**حضرت عثمان کا خواب:** ادھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا وقت قریب ہو رہا تھا ادھر بلوائیوں کا زور بڑھتا جا رہا تھا اچانک حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس غلام آزاد فرمائے اور فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی خواب میں زیارت کی ہے، انہوں نے مجھ سے فرمایا ہے

کہ عثمان آنے والی شام کا افطار تم ہمارے ساتھ کرو گے۔ حضرت عثمان نے یہ خواب بیان کرنے کے بعد قرآن پاک منگایا اور تلاوت میں مصروف ہو گئے۔

(مسند امام احمد بن حنبل ج ۱ ص: ۳۹۰ حدیث نمبر ۱۷۹)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا: تم جمعہ میں ہمارے ساتھ شریک رہنا، یہ خواب آپ نے جمعہ کی رات میں دیکھا تھا۔ (طبقات ابن سعد ج ۳، ص: ۱۷)

**حضرت عثمان کی شہادت:** آپ پڑھ چکے ہیں کہ بلوائیوں کے ذریعہ برسائے گئے پتھروں سے کئی افراد زخمی ہوئے تھے ان زخمیوں میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات خاص طور پر قابل ذکر ہے، جب محمد بن ابوبکر نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہزادے کا بہتا ہوا خون دیکھا، تو دل میں دہشت پیدا ہو گئی کہ معاملہ بگڑ نہ جائے، بنو ہاشم حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون کو دیکھ کر جذبۂ انتقام سے سرشار ہو کر میدان میں نہ کود پڑیں، اگر ایسا ہو گیا تو سارا کھیل بگڑ جائے گا۔ لہٰذا انہوں نے فوراً دو آدمیوں کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں تھاما اور کہا تاخیر کرنے کا بالکل وقت نہیں ہے، اگر بنو ہاشم آ گئے تو پورا منصوبہ خاک میں مل جائے گا، اب ہمارے پاس اس کے سوا کوئی اور چارہ نہیں ہے کہ دوسرے کے گھر سے پھاند کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں کود جائیں، اس سے پہلے کہ کسی کو بات معلوم ہو گی ہم اپنا کام کر چکے ہوں گے لہٰذا محمد بن ابوبکر اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ پاس والے انصاری کے مکان پر چڑھے اور اس سے ہو کر یہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں کود گئے، یہ لوگ گھر کی نچلی منزل میں پہنچ گئے جہاں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ صرف ان کی اہلیہ موجود تھیں، نائلہ کافی چیخی اور چلائی مگر ان کی آواز بلوائیوں کی آواز میں دب کر رہ گئی جو افراد بھی گھر کے بالا خانہ پر موجود تھے وہ ان کی آواز کو نہیں سن سکے۔ (تاریخ الخلفاص: ۱۲۷)

**حضرت عثمان کے قاتل:** محمد بن ابوبکر نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی داڑھی مبارک پکڑ لی، تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! اس

کو چھوڑ دے خدا کی قسم تیرے والد اس کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ حضرت عثمان کے اس کلام سے محمد بن ابوبکر کو حیا آ گئی، اور وہ آپ کو چھوڑ کر مکان سے باہر نکل گئے، پھر رومان بن سرحان آپ کے پاس پہنچا، اس کے ہاتھ میں خنجر تھا یہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے آیا اور آپ سے سوال کیا "علی ای دین یا نعثل" اے لمبی داڑھی والے بوڑھے تو کون سے دین پر ہے؟ حضرت عثمان نے پوری جرأت کے ساتھ جواب دیا میں نعثل نہیں ہوں بلکہ عثمان بن عفان ہوں، میں مسلمان ہوں، ملت ابراہیمی پر قائم ہوں، اور میں مشرک نہیں ہوں، اس نے کہا کہ آپ نے جھوٹ کہا اور آپ پر حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب باب حرف العین ص: ۵۴۸)

دوسری روایت میں ہے کہ جب محمد بن ابوبکر شرمندہ ہو کر وہاں سے باہر چلے گئے تو قتیرہ، سودان بن حمران اور غافقی آپ پر حملہ آور ہوئے، غافقی نے لوہے کے چھڑ سے آپ پر حملہ کیا اور قرآن پاک (جس کی آپ تلاوت کر رہے تھے) پر ایسی لات ماری کہ قرآن پاک گھوم کر آپ کے پاس ٹھہر گیا، اور اس پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خون بہا (العیاذ باللہ) اب سودان مارنے کے لیے آگے بڑھا آپ کی وفا شعار بیوی آپ پر جھک گئی اور تلوار کو اپنے ہاتھ سے روکنے کی کوشش کی تو اس ظالم نے آپ کے ہاتھ کی انگلیوں کو کاٹ دیا۔ جب وہ دوسری جانب متوجہ ہوئی تو اس ظالم نے اس وفا شعار، باحیا بیوی پر گندی طعنہ کشی کی، اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا (العیاذ باللہ) اور ایک قول کے مطابق آپ کے قاتل کا نام کنانہ بن بشر ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا گیا تو آپ کے خون کے چھینٹے آیت کریمہ۔ "فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ" پر پڑے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چند غلام اندر داخل ہوئے اور ایک غلام نے آپ کے قاتل سودان پر حملہ کر کے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا، لیکن دوسرے ہی لمحہ میں آپ کے دوسرے قاتل قتیرہ نے اس غلام کو شہید کر دیا، اور پھر آپ کے گھر میں جو کچھ مال و اسباب تھا سب کو لوٹ لیا اور دروازہ بند کر کے

نکل رہے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے غلام نے قتیرہ کو بھی قتل کر ڈالا۔ باغیوں نے یہاں تک لوٹ مار مچائی کہ عورتوں سے ان کے زیور تک چھین لیے، اسی اثنا میں ایک اور باغی کا قتل ایک غلام کے ہاتھوں عمل میں آیا اور وہ اپنے کیفر کردار تک پہنچا اس کے بعد بلوائیوں نے بیت المال کا قصد کیا اور اس میں رکھے دو بورے بھی لوٹ لیے۔

(الکامل فی التاریخ ج ۳،ص: ۶۸)

آپ کے قاتل کے بارے میں تاریخ نے تین اور نام بھی شمار کرائے ہیں۔ جبلہ بن ایہم، الاسود، یسار بن عیاض، جب آپ پر وار کیا گیا اور خون آپ کی داڑھی مبارک سے بہ نکلا تو آپ نے یہ الفاظ کہے "لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ" ﴿الانبیاء۸۷﴾ پھر آپ نے عرض کیا: اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اور اپنے تمام معاملات میں تجھی سے مدد چاہتا ہوں، اپنی پریشانی میں تجھ ہی سے صبر کا سائل ہوں۔

(الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج ۳،ص: ۶۴)

**تاریخِ شہادت:** حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریخ شہادت میں مؤرخین کے درمیان شدید اختلاف ہے، زیادہ تر مؤرخین نے جس قول کو سب سے پہلے شمار کرایا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی شہادت بروز جمعہ ۱۸؍ذی الحجہ ۳۵ھ میں ہوئی۔

تاریخ شہادت کے بارے میں مزید اقوال یہ ہیں۔

ابوعثمان نہدی کے بیان کے مطابق آپ کی شہادت ایام تشریق کے وسط میں ہوئی۔

ابن اسحاق نے فرمایا: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے گیارہ سال، گیارہ مہینے اور بائیس دن کے بعد آپ کی شہادت ہوئی۔

امام واقدی نے فرمایا: ۸؍ذی الحجہ یوم ترویہ ۳۵ھ میں آپ کو شہید کیا گیا۔

ایک قول یہ ہے کہ آپ کی شہادت بروز جمعہ ۲۷ یا ۲۸؍ذی الحجہ کو ہوئی۔

امام واقدی کے مطابق مدت محاصرہ ۴۹؍دن تھی، اور حضرت زبیر نے فرمایا: دو ماہ بیس دن مدت محاصرہ تھی۔ (اسد الغابہ ج ۳،ص: ۵۸۵)

**مدتِ خلافت**: آپ کی خلافت کی مدت بارہ سال ہے لیکن بارہواں سال مکمل نہ ہوسکا اس میں بارہ دن کم رہ گئے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کی مدت خلافت گیارہ سال گیارہ ماہ اور چودہ دن ہے۔ (ایضا)

**عمر مبارک**: وقت وصال آپ کی عمر ۸۲/سال تھی۔ بعض نے کہا کہ ۸۶/سال، بعض نے ۸۸/اور ۹۰/سال آپ کی عمر بتائی ہے اور بعض نے ۷۵/سال بھی آپ کی عمر بتائی ہے لیکن آخری قول بہت غریب ہے۔ (اسد الغابۃ ج ۳، ص: ۵۸۷، البدایۃ والنہایۃ ج ۱۰، ص: ۳۲۴)

**حضرت علی رضی اللہ عنہ کا غصہ**: جب یہ خبر مدینہ شریف میں پھیلی تو لوگوں کے ہوش اڑ گئے، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد وغیرہم صحابہ کرام حضرت امیر المومنین کے گھر پہنچے، موقع واردات کا جائزہ لیا تو حضرت عثمان کو شہید پایا، سب نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جوش غضب میں اپنے دونوں بیٹوں سے فرمایا: تمہارے دروازے پر رہتے ہوئے امیر المومنین کو شہید کیسے کر دیا گیا، ایک طمانچہ آپ نے حضرت حسن کو لگایا اور حضرت امام حسین کے سینے پر ضرب لگائی، محمد بن طلحہ اور عبد اللہ بن زبیر کو بھی سخت وسست کہا۔ (تاریخ الخلفا ص: ۱۲۷)

**محمد بن ابوبکر قاتل نہیں**: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ سے سوال کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کس نے شہید کیا؟ تو آپ نے فرمایا میں قاتلوں کو نہیں پہچانتی، مگر اتنا جانتی ہوں کہ دو شخص گھر میں داخل ہوئے تھے اور ان کے ساتھ محمد بن ابوبکر بھی تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر حضرات کو وہ تمام باتیں بتائیں جو محمد بن ابوبکر کی طرف سے عمل میں آئی تھیں، یہ سن کر حضرت علی نے محمد بن ابوبکر کو بلایا، اور تفتیشِ حال کی، تو محمد بن ابوبکر نے جواب دیا کہ حضرت عثمان کی اہلیہ صحیح فرما رہی ہیں۔ خدا کی قسم میں داخل ہوا تھا اور قتل کے ارادے سے داخل ہوا تھا لیکن جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرے والد کا تذکرہ کیا تو میں واپس چلا آیا اس پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ نے کہا کہ یہ بات تو

سچ ہے کہ یہ واپس چلے آئے لیکن ان دونوں شخصوں کو داخل انہی نے کیا تھا۔(ایضاص:۱۲۸)

**تجہیز، تکفین، تدفین، نمازِ جنازہ:** حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ کے خدام نے غسل دیا، اور کفن پہنایا، ایک قول یہ ہے کہ آپ کو نہ غسل دیا گیا نہ کفن، (بلکہ آپ کو انہیں کپڑوں میں دفن کر دیا گیا جو آپ پہنے ہوئے تھے) لیکن پہلا قول صحیح ہے۔

حضرت ابن جریر نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے دو یا تین دن بعد آپ کی تدفین عمل میں آئی، اور بلوائیوں کے خوف سے آپ کو مغرب اور عشا کے درمیان دفن کیا گیا، (عام لوگوں کو اطلاع نہیں دی گئی) چند صحابہ آپ کے جنازہ میں شامل تھے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں حکیم بن حزام، حویطب بن عبد العزی، ابوالجہم بن حذیفہ، نیار بن مکرم، جبیر بن مطعم، زید بن ثابت، کعب بن مالک، طلحہ، زبیر، علی بن ابی طالب وغیرہم، اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ کو جنت البقیع میں مشرقی جانب حش کوکب میں دفن کیا گیا۔

علامہ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں کہ زمانہ بنی امیہ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر عظیم الشان گنبد بنایا گیا (مزار) جو آج تک باقی ہے (علامہ ابن کثیر کے زمانہ تک باقی تھا مگر براہو نجدی تعصب اور بے دینی کا کہ بعد میں آل سعود نے صحابۂ کرام کے مزارات پر بلڈوزر چلوا کر سب مزارات اور قبروں کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دیا العیاذ باللہ) حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اپنی حیات ظاہری میں جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حش کوکب سے گزرے (حش کوکب کو آپ ہی نے خرید کر جنت البقیع میں شامل فرمایا تھا) تو آپ نے فرمایا تھا کہ عنقریب یہاں مرد صالح کو دفن کیا جائے گا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱۰، ص: ۳۲۴، ۳۲۶)

**مروان کو سپرد کیوں نہیں کیا:** بعض کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب لوگوں نے یہ پہچان لیا تھا کہ وہ شرارت بھرا خط مروان نے لکھا ہے اور اسی خط کی وجہ سے یہ سب ہنگامہ بپا ہوا اور لوگ امیر المومنین سے مروان کی سپردگی کا سوال کر رہے تھے،

اگر امیر المومنین مروان کو لوگوں کے حوالے کر دیتے تو یہ سب کچھ نہ ہوتا۔ اس کا جواب فقیہ ملت حضرت مفتی جلال الدین احمد امجدی نے یہ تحریر فرمایا ہے:

مروان اس وقت امیر المومنین کے مکان میں موجود تھا لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ اسے ہمارے حوالے کر دیجیے آپ نے انکار کر دیا، اس لیے کہ وہ لوگ غیظ وغضب میں بھرے ہوئے تھے، مروان کو سزا دیتے اور قتل کر دیتے حالانکہ تحریر سے یقین کامل نہیں ہوتا، اس لیے کہ "الخط یشبہ الخط" ایک تحریر دوسری تحریر کے مشابہ ہوتی ہے، انہیں مروان کی تحریر ہونے کا صرف شبہ تھا اور شبہ کا فائدہ ہمیشہ ملزم کو پہنچتا ہے اس لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مروان کو ان کے سپرد نہیں کیا۔ علاوہ اس کے سپرد کرنے میں بہت بڑے فتنے کا اندیشہ بھی تھا۔ (خطبات محرم ص:۱۷۸)

## ایک شبہ کا ازالہ:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت، اور مدینہ منورہ نیز وہاں کے باشندگان کے حالات پڑھ کر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ شریف میں کیسے شہید کر دیا گیا جبکہ وہاں صحابہ کبار کی ایک بڑی جماعت موجود تھی۔

اس شبہ کے علامہ ابن کثیر نے چار جواب دیے ہیں۔

(۱) اکثر یا کل صحابہ کرام کو یہ گمان تک نہ تھا کہ بلوائی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کر دیں گے کیوں کہ بلوائی تین باتوں میں سے ایک بات چاہتے تھے۔

(الف) حضرت امیر المومنین خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔

(ب) مروان کو ان کے سپرد کر دیں۔

(ت) خود امیر المومنین مروان کو قتل کر دیں، زیادہ تر صحابہ کا گمان یہ تھا کہ آپ مروان کو ان کے حوالے کر دیں گے یا خلافت سے دست بردار ہو کر اس فتنے کو ختم کر دیں گے قتل کا تو ان کو گمان ہی نہ تھا۔

(۲) صحابہ کرام تو بھرپور حفاظت کرنا چاہتے تھے لیکن جب معاملے میں سختی پیدا ہو

گئی تو خود حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ ہرگز ہرگز جنگ کرنے کی کوشش نہ کریں، اگر صحابہ کو یہ یقین ہوتا کہ معاملہ اس حد تک پہنچ جائے گا تو وہ ضرور بلوائیوں سے جنگ کرتے۔

(۳) بلوائیوں نے حملہ کرنے کا وقت ایسا چنا تھا کہ حالات ان کے موافق رہے، مدینہ شریف کے اکثر سکان مدینہ شریف سے باہر تھے، کیوں کہ یہ حج کا مہینہ تھا اور اس وقت باہری لشکر کا مدینہ شریف میں ورود نہیں ہوا تھا اور جیسے ہی لوگوں کے آنے کا خطرہ محسوس ہوا انہوں نے اپنا مقصد پورا کر لیا۔

(۴) حملہ آور گروہ کی تعداد دو ہزار کے قریب تھی اور یہ لوگ ماہر جنگ جو تھے ممکن ہے کہ اس وقت مدینہ شریف میں اتنی تعداد موجود نہ ہو کیوں کہ کچھ لوگ سرحدوں پر رہتے تھے اور بہت سارے لوگ دوسرے اقالیم کے سفر پر ہوتے تھے اور کچھ لوگ مکہ شریف میں فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے گئے ہوئے تھے۔

پھر بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی اولاد کو بھیج کر دروازہ کی حفاظت کے پختہ انتظام کر دیے تھے اور یہ انتظام اتنے پختہ تھے کہ بلوائی دروازہ کی جانب سے کامیاب نہ ہو سکے، صحابہ کو توقع تھی کہ اس درمیان باہر سے لشکر آ کر بلوائیوں کا قلع قمع کر دیں گے لیکن بلوائیوں نے دوسرا رخ اختیار کر کے حضرت امیر المومنین کو شہید کر دیا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱۰، ص: ۳۴۴)

**دس مبارک خصلتیں:** حضرت ابوثور فہمی بیان فرماتے ہیں کہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اس وقت حاضر ہوا جب بلوائیوں نے آپ کا گھراؤ کر رکھا تھا تو مجھ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے رب کے پاس میری دس خصلتیں موجود ہیں، میں چار مسلمانوں میں چوتھے نمبر پر ہوں، میرے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے یکے بعد دیگرے اپنی دو شہزادیوں کا نکاح فرمایا، میں نے کبھی بھی گانے بجانے میں حصہ نہیں لیا، میں نے کبھی بھی کسی برائی کی تمنا نہیں کی، میں نے جس دن سے

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے اپنے داہنے ہاتھ سے بیعت کی اس کے بعد اپنے داہنے ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو نہیں چھوا، میں جس دن سے اسلام لایا ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتا رہا اگر کسی جمعہ کو غلام نہ رہا تو میں نے بعد میں دو غلام آزاد کیے، میں نے زمانہ جاہلیت میں نہ زنا کیا اور نہ میں زمانۂ اسلام میں زنا کے قریب گیا، اور میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے کے مطابق قرآن پاک کو جمع کیا۔ (تاریخ الخلفاص:۱۲۸)

**سیرت وکردار:** حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام اور مسلمانوں کے حیرت انگیز حد تک خیر خواہ تھے، وہ مسلمانوں کی مصیبت پر بے قرار ہو جاتے تھے اور ممکنہ حد تک اسے دور کرنے کی کوشش کرتے تھے، اور اس پر اپنا مال خطیر قربان کرتے تھے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے تو حد درجہ محبت فرماتے تھے، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ادنیٰ سی پریشانی بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اہل وعیال نے چار دن تک کچھ نہیں کھایا، یہاں تک کہ بچے بھوک سے آہ وبکا کرنے لگے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم باہر سے تشریف لائے تو ام المومنین حضرت عائشہ نے سارا واقعہ سنایا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم فوراً مسجد تشریف لے گئے، اتنے میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دولت کدۂ حضور پر حاضر ہوئے، دستک دی، تو ام المومنین نے بتایا کہ حضور مسجد میں تشریف رکھتے ہیں، اور پھر آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سارا واقعہ سنایا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے گھر والوں کا یہ حال سن کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے، اور بے قرار ہو کر عرض کی محترم ماں آپ نے مجھے خبر کیوں نہیں کی فوراً گھر سے کھانے کی چیزیں خاصی مقدار میں لا کر حاضر کیں، اور تین سو درہم نقد حاضر کیے، سرکار گھر تشریف لائے، حضرت عائشہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جاں نثاری بیان کی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بہت خوش ہوئے اور دوبارہ مسجد میں پہنچ کر اللہ کی بارگاہ میں عرض گزار ہوئے "اللّٰھم انی قد رضیت عن عثمان فارض عنہ" اے اللہ! میں عثمان

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راضی ہوں تو بھی میرے غلام سے راضی ہو جا۔ خیال رہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موقع پر ام المومنین سے عرض کیا تھا کہ جب بھی کوئی ضرورت پیش آئے تو خادم کو خبر ضرور کر دیا کریں۔ (کنز العمال تتمۃ فضائل ذی النورین حدیث: ۳۶۲۱۷)

**عشق رسول اور احترام سنت**: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتنی اونچی چوٹی پر فائز تھے جس کی بلندی کا اندازہ کرنے والوں کی ٹوپیاں سر سے زمین پر آ جاتی ہیں۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے بغیر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طواف ترک کر دیا اور کفار کے اصرار پر آپ نے انہیں جواب دیا تھا کہ میں اپنے سرکار کو چھوڑ کر طواف نہیں کر سکتا بلکہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس آئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا تھا، کہ تم نے تو طواف کر لیا ہوگا؟ اس وقت آپ نے جواب دیا تھا تم لوگوں نے میرے ساتھ بہت برا گمان کیا اگر میں ایک سال بھی مکہ مکرمہ میں رہتا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم حدیبیہ میں تشریف رکھتے تب بھی میں طواف نہیں کرتا۔ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکہ سے واپس آنے سے پہلے یہی سوال صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور سے کیا تھا کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طواف کر لیا ہوگا، اس پر رحمت عالمیان نے ارشاد فرمایا تھا: کہ مجھے عثمان سے یہ امید نہیں ہے کہ عثمان مجھے چھوڑ کر طواف کر لیں گے۔ (کتاب المغازی للواقدی غزوۃ الحدیبۃ)

جس ہاتھ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دست مبارک میں دے کر آپ نے اسلام پر بیعت کی تھی اس ہاتھ کو کبھی گندگی کی جگہ نہیں جانے دیا۔ (کنز العمال حدیث نمبر ۳۶۱۶۰)

حضرت حمران بن ابان فرماتے ہیں: ہم ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر تھے، آپ نے وضو فرمایا، اور وضو کرنے کے بعد مسکرانے لگے اور پھر خود ہی ارشاد فرمایا: اے لوگو! کیا تم لوگ جانتے ہو کہ میں کیوں مسکرا رہا ہوں سنو! ایک دن اللہ کے محبوب نے وضو فرمایا جیسا کہ میں نے ابھی تمہیں نقل کر کے دکھایا ہے پھر سرکار نے تبسم فرمایا اور لوگوں سے سوال کیا کیا تم میرے تبسم کی وجہ جانتے ہو؟ لوگوں نے کہا اللہ ورسولہ اعلم۔ تب

سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب دیا تھا جب بندہ اچھا وضو کر کے اچھے طریقے سے نماز پڑھتا ہے تو نماز سے اس حال میں باہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو گناہوں سے ایسا پاک کر دیتا ہے جیسے ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص: ۳۴۸ حدیث: ۴۳۰)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم رب کی رحمت پر مسکرا رہے تھے اور عثمان ادائے محبوب کو نقل کر کے اپنے عشق کی پیاس بجھا رہے تھے۔

وہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت پر عمل پیرا ہوتے تو انہیں ایک عجیب لطف محسوس ہوتا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی خوشی میں دوسروں کو شامل کرنے کے لیے بیان بھی فرماتے تھے کہ یہ کام میں نے اس لیے کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو میں نے ایسا کرتے دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ جنازہ جاتا ہوا دکھائی دیا تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا: میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

(مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص: ۳۶۱/ حدیث: ۴۵۷)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات، عادات اور قول وفعل سے تو انہیں والہانہ عقیدت ومحبت تھی ہی وہ حضور کے شہر پاک سے بھی اتنی محبت کرتے تھے کہ انہوں نے اپنا قتل ہو جانا گوارہ کر لیا لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقدس شہر سے کوچ نہیں کیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطرے کو تاڑتے ہوئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا تھا کہ آپ میرے ساتھ شام چلیں آپ انشاءاللہ ہر خطرے سے باہر ہوں گے۔ یہ سن کر حضرت امیر المومنین نے فرمایا: میں حضور کے جوار کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا میں حفاظت کے لیے شام سے فوجی دستے بھیج دیتا ہوں آپ نے فرمایا: نہیں اے امیر معاویہ! میں نہیں چاہتا کہ اہل مدینہ کو فوج کی وجہ سے کوئی پریشانی جھیلنا پڑے۔

(تاریخ ابن خلدون ج ۲، ص: ۱۴۴)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

منبر کے تین زینے تھے علاوہ اوپر کے تختے کے جس پر بیٹھتے ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم درجۂ بالا پر خطبہ دیا کرتے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دوسرے پر پڑھا۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیسرے پر۔ جب زمانہ ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آیا پھر اول پر خطبہ فرمایا، سبب پوچھا گیا فرمایا: اگر دوسرے پر پڑھتا لوگ گمان کرتے کہ میں صدیق کا ہم سر ہوں، اور تیسرے پر پڑھتا تو وہم ہوتا کہ فاروق کے برابر ہوں لہٰذا وہاں پڑھا جہاں یہ احتمال متصور نہیں۔ (فتاوی رضویہ ج ۳، ص: ۷۰۰)

**پرہیز گاری اور خشیت ربانی:** حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آیت کریمہ "وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿الفرقان ۶۴﴾ کی جیتی جاگتی اور چلتی پھرتی تفسیر تھے، رات قیام وسجود میں بسر ہوتی تو دن روزے کی برکتوں سے آباد رہتا، ایک طرف خوف آخرت سے دہشت زدہ، تو دوسری طرف رب کی رحمتوں پر کامل بھروسہ، آپ نے پوری حیات امید وبیم کے درمیان گزار دی، عبادت کا وہ ذوق پایا جس کی مثال کم یاب ہے۔ آپ کی اہلیہ نے قاتلان عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: تم نے ایسے شخص کو شہید کیا ہے جو عابد شب زندہ دار تھا جو ایک رکعت میں پورا قرآن مکمل تلاوت کر لیتا تھا۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۱، ص: ۵۷)

اللہ تعالیٰ کا خوف ان کے دل میں اتنا سمایا ہوا تھا کہ بسا اوقات آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے، جب کبھی قبر کے پاس سے گزر ہوتا تو اس قدر روتے کہ داڑھی تر ہو جاتی، لوگوں نے پوچھا آپ کے سامنے جنت ودوزخ کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو آپ کی یہ حالت نہیں ہوتی؟ فرمایا: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے اگر انسان اس میں کامیاب ہو گیا تو آگے کے مراحل آسان ہو جائیں گے، اور اگر انسان اس میں ناکام ہو گیا تو آگے کا معاملہ بڑا دشوار ہو جائے گا! اور فرمایا میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے: میں نے قبر سے زیادہ بھیانک منظر نہیں دیکھا۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۱، ص: ۳۶۰، حدیث: ۴۵۴)

**حیا**: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حیا کے اعتبار سے امت میں سب سے ممتاز بنایا ہے، سرکار کے فرمان کے مطابق وہ اتنے باحیا ہیں کہ فرشتے بھی ان سے حیا کرتے ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: میری امت میں عثمان سب سے زیادہ حیادار ہیں۔

آپ کی حیا کا یہ عالم تھا کہ گھر بند ہوتا تو بھی بدن پر پانی بہانے کے لیے کپڑے نہیں نکالتے اور شرم کی وجہ سے (غسل کے درمیان) اپنی پیٹھ کو سیدھا نہیں کرتے تھے۔

(حلیۃ الاولیاج ۱ص:۵۶)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ فرماتی ہیں: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ غسل فرماتے، اور میں ان کے کپڑے لے کر ان کے پاس جاتی تو فرماتے میرے جسم کی طرف نظر مت کرنا۔ (طبقات ابن سعد ج ۳، ص:۵۶)

**علم میراث ومناسک**: یوں تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علمی مقام بہت بلند وبالا ہے مگر بعض علوم میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ حضرت ابن شہاب نے فرمایا: اگر حضرت عثمان اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما ہلاک ہوجاتے تو علم میراث فنا ہوجاتا، کیوں کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا گزرا ہے کہ ان دونوں کے سوا اس علم میں کسی کو مہارت تامہ نہیں تھی۔ (کنز العمال حدیث:۳۶۱۷۶)

حضرت محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: صحابۂ کرام میں مناسک حج کے سب سے بڑے عالم حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور ان کے بعد حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو شمار کیا جاتا ہے۔ (طبقات ابن سعد ج ۳، ص:۵۷)

**فراست وکرامت**: اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ" مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ کامل الایمان بندے کی نگاہیں جتنی دور بین اور دور رس

ہوتی ہیں، وہ دوسرے حضرات کی نہیں ہوتیں، دوسرے لوگ صرف ظاہر دیکھتے ہیں، لیکن ایمان سے نکھری اور سنوری ہوئی آنکھیں باطن کو بھی ملاحظہ فرماتی ہیں آنے والے واقعے کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت کہا جائے یا فراست، یا فراست بصورت کرامت یہ فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

حضرت محجن جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، فرماتے ہیں: میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک زمین پر آپ کے ساتھ تھا، کہ اچانک اعرابیہ (دیہات کی رہنے والی عورت) امیر المومنین کے سامنے آگئی جس کی حالت بڑی خستہ ہو رہی تھی، اس نے حضرت امیر المومنین سے کہا کہ میں نے زنا کیا ہے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے فرمایا: اے محجن اس کو یہاں سے باہر کرو میں نے اس کو باہر نکال دیا، وہ پھر واپس آگئی اور اس نے وہی بات دہرائی آپ نے پھر اسے باہر کرنے کا حکم دیا، میں نے اس کو باہر کر دیا اس نے دوبارہ واپس آکر کہا کہ میں نے زنا کیا ہے اب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے محجن میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کے سوے حال نے اسے شر پر ابھارا ہے، اس کو لے کر جاؤ اس کے پیٹ بھرنے کا بندوبست کرواور اسے پہننے کے لیے کپڑے دو، محجن کہتے ہیں کہ میں نے وہی کیا جو امیر المومنین نے فرمایا تھا۔ جب اس کا پیٹ بھرا تو اس کے ہوش ٹھکانے لگے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک گدھے پر کھجور، آٹا اور کشمش لاد کر فرمایا جاؤ اور اسے مسافروں کے سپرد کر دو جو اس کو اس کے گھر والوں کے پاس بحفاظت پہنچا سکیں۔ محجن کہتے ہیں کہ جب میں اسے لے کر چلا پھر میں نے اس سے راستے میں پوچھا کہ کیا تو اب بھی اس بات کا اقرار کرتی ہے، جس کا اقرار تھوڑی دیر پہلے تو نے امیر المومنین کے سامنے کیا تھا؟ تو اس اعرابیہ نے کہا نہیں وہ تو میں اپنی سخت حالی اور پریشانی کی وجہ سے کہہ رہی تھی۔ (کنز العمال حدیث نمبر: ۳۶۱۷۳)

جس راز سے لوگ بعد میں آشنا ہوے امیر المومنین نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا۔

ایک مرتبہ جہجاہ غفاری نامی شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بے

ادبی کرتے ہوئے آپ کے عصاء مبارک کو چھین کر توڑ ڈالا، آپ کی یہ بے ادبی اس کو مہنگی پڑی، چناں چہ اسے آکلہ نامی بیماری ہوئی اس بیماری میں آدمی کے اعضا سڑ کر گر جاتے ہیں۔

حضرت ابو قلابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے دورانِ سفر ایک آواز سنی ہائے تباہی! ہائے آگ! میں اس شخص کے پاس گیا جس کی یہ آواز تھی، اب میری نگاہوں کے سامنے ایک ایسا شخص تھا جس کے دونوں ہاتھ دونوں پیر کٹے ہوئے تھے، اور دونوں آنکھوں سے اندھا تھا، میں نے اس کا حال دریافت کیا تو اس نے مجھے بتایا کہ میں ان لوگوں میں شامل تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں داخل ہوئے تھے۔ میں جب غلط ارادے سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب ہوا تو ان کی اہلیہ چلانے لگی میں نے ان کو ایک طمانچہ مار دیا، یہ دیکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے میرے لیے بددعا کردی کہ اللہ تیرے ہاتھ پیر کاٹ دے، تجھے اندھا کردے اور تجھے آگ میں داخل کر دے، پھر مجھے ایک کڑک دار آواز نے آلیا اور میرا یہ حال ہوا جو آپ دیکھ رہے ہیں، ان کی ساری دعائیں قبول ہو گئیں ہیں، صرف آگ والی دعا ابھی باقی ہے میں نے اس سے کہا کہ تو اللہ کی رحمت سے دور ہو چکا ہے۔ (الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج ۳، ص: ۷۳)

حضرت امام زہری ولید بن سوید کے واسطے سے بیان فرماتے ہیں کہ بنی سلیم کے ایک شخص بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مجلس میں حاضر تھا جس میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے، اور میں اس سے پہلے یہ سوچتا تھا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے دل میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تعلق سے کچھ ناراضگی ہوگی کیوں کہ حضرت عثمان نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقام ربدہ میں رہنے کا حکم دیا تھا لیکن جب اس مجلس میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر ہوا اور کسی تنقید کرنے والے نے آپ پر تنقید کی تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: حضرت عثمان کے بارے میں خیر کے سوا کوئی بات مت کرنا میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے ایک ایسا منظر دیکھا ہے جسے میں کبھی بھلا نہیں سکوں گا، میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ تنہائی میں حا

ضر تھا اور کچھ سماعت کر رہا تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آ گئے پھر حضرت عمر اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہم آ گئے ان کے آنے کے بعد حضور نے اپنے دست اقدس میں کچھ کنکریاں اٹھائیں تو ان کنکریوں نے حضور کے ہاتھ میں تسبیح بیان کی ان کنکریوں کی ایسی آواز سنائی دے رہی تھی کہ جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ سنائی دیتی ہے، پھر وہی کنکریاں حضرت ابوبکر نے اپنے ہاتھ میں لے لیں تو ان کنکریوں نے آپ کے ہاتھ میں تسبیح بیان کی، پھر حضرت ابوبکر نے وہ کنکریاں زمین پر رکھ دیں تو وہ خاموش ہو گئیں پھر ان کو حضرت عمر نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں بھی انہوں نے تسبیح بیان کی پھر انہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے ہاتھ سے لے کر زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہو گئیں، پھر وہ کنکریاں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اٹھالیں کنکریوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں بھی تسبیح بیان کی پھر سرکار نے ان کے ہاتھ سے لے کر زمین پر رکھ دیا تو آواز آنا بند ہو گئی۔ (تاریخ اسلام للذہبی ج ۳، ص: ۸۴۷)

ایک شخص حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں نامحرم کے ساتھ بد نگاہی کر کے آیا، آپ نے فرمایا! تعجب ہے کہ بعض لوگ اس حال میں آتے ہیں کہ ان کی نگاہوں میں زنا کا اثر ہوتا ہے۔ تو اس شخص نے کہا کہ کیا حضور کے بعد بھی وحی کا سلسلہ جاری ہے اس پر آپ نے فرمایا: وحی تو جناب رسالت ماب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد کسی پر نازل نہیں ہوئی لیکن قول حق کی برکتیں اور سچائی کی فراست ہمیشہ جاری رہے گی۔

(الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج ۳، ص: ۳۶)

ایک شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد آپ کے چہرہ کے ساتھ گستاخی کی اس کا ہاتھ سوکھ گیا۔ حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں: میں نے اس کے ہاتھ کو لکڑی کی طرح سوکھا ہوا دیکھا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۰، ص: ۲۲۷)

**زہد و تواضع**: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ رب پاک نے اپنی ان گنت نعمتوں سے سرفراز فرمایا تھا، دولت ان کے قدموں میں انڈیل دی گئی تھی، وہ امت کے

اتنے بڑے غنی تھے کہ ان کے نام کے ساتھ لفظ غنی جڑا ہوا ہے لیکن اس کے باوجود ان کی ذات تکبر، گھمنڈ، اور فضول خرچی وغیرہ سے پاک تھی وہ اپنی دولت سے دوسروں کی حاجتیں پوری کرتے اور خود زہد و عاجزی کی تصویر بنے رہتے تھے۔

حضرت شرحبیل فرماتے ہیں: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو عمدہ کھانا کھلاتے اور خود سرکہ اور زیتون پر گزارا کرتے۔

حضرت عبداللہ بن شداد کہتے ہیں: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس وقت جمعہ کے دن خطبہ دیتے ہوئے دیکھا جب وہ امیر المومنین تھے، آپ معمولی کپڑا پہنے ہوئے تھے جس کی قیمت چار پانچ درہم تھی۔

حضرت حسن فرماتے ہیں: میں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسجد میں دیکھا کہ اپنی چادر کو تکیہ بنائے سو رہے تھے، اور لوگ آتے جاتے اور ان کے گرد بیٹھتے جاتے، گویا کہ امیر المومنین کو ان سے کوئی امتیاز حاصل نہیں ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس غلاموں کی کثرت تھی، لیکن اس کے باوجود بھی زندگی اتنی سادہ تھی کہ اگر رات میں کوئی ضرورت پیش آتی تو اپنے کسی بھی غلام کو نیند سے بیدار نہیں کرتے (بلکہ خود ہی اپنا کام کر لیتے)

(الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج ۳، ص: ۴۲)

مال و دولت کی فراوانی کے باوجود ہمیشہ زاہدانہ زندگی بسر فرمائی قز نام کا ایک خوبصورت رومی کپڑا تھا، جس کو متوسط طبقہ کے لوگ پہنا کرتے تھے، لیکن آپ نے وہ کپڑا نہ خود کبھی استعمال کیا اور نہ اپنی ازواج کو استعمال کرنے دیا۔ (مقالات سعیدی ص: ۱۹۷)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کا وظیفہ باقی صحابہ کی نسبت دوگنا کر دیا، ہمیشہ اپنے مال سے دوسروں کو فائدہ پہنچایا، اپنے بارہ سالہ دور خلافت کے اندر بحیثیت خلیفہ کے ایک پیسہ بھی بیت المال سے نہیں لیا اور اپنا مقررہ وظیفہ عام مسلمانوں کے لیے چھوڑ دیا۔ حضرت عمر

رضی اللہ عنہ کا سالانہ وظیفہ پانچ ہزار درہم تھا۔اس حساب سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بارہ سال میں ساٹھ ہزار درہم کی رقم بیت المال میں مسلمانوں کے لیے چھوڑی۔

(مقالات سعیدی ص:۱۹۷)

**مسجد نبوی کی توسیع**: ۳۲ھ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی کی ازسرنو تعمیر کی ،اس میں پہلے کی نسبت بہت وسعت کردی حتیٰ کہ اس کا طول ایک سوساٹھ ہاتھ اورعرض ایک سو پچاس ہاتھ پر مشتمل ہوگیا،حضرت عثمان نے نقشین پتھروں سے اس کی دیواریں اورساگون کی لکڑی سے اس کی چھت بنوا کر مسجد کو بے حد حسین وجمیل بنادیا۔

(تاریخ الخلفاص:۱۲۰،مقالات سعیدی ص:۱۹۷)

**اولیات حضرت عثمان**: سب سے پہلے آپ ہی نے لوگوں کو جاگیروں کا مالک بنایا،جانوروں کے لیے چراگاہیں بنائیں،تکبیر دھیمی آواز سے کہنے کا حکم دیا،مسجدوں کو ایک خاص قسم کی خوشبو سے مہکایا،جمعہ میں پہلی اذان کا اضافہ فرمایا،مؤذن حضرات کی تنخواہ آپ ہی کے دور سے شروع ہوئی،آپ نے لوگوں کو ان کی زکوٰۃ خود نکالنے کا اختیار دیا،آپ ہی نے محکمۂ پولیس میں عہدے داران کو منتخب فرمایا،آپ ہی نے مسجد میں مقصورہ (حفاظت کے لیے محفوظ جگہ) بنوایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا واقعہ نہ دہرایا جاسکے،آپ ہی کے دور میں مال کی اتنی کثرت ہوگئی کہ لوگ فکر معاش سے آزاد ہوکر کبوتر اڑانے اور غلیل چلانے میں مصروف ہوگئے تو آپ نے ایک شخص کو ایسی خرافات کے ازالے پر متعین فرمایا۔

(تاریخ الخلفاء ص:۱۳۱)

**صحابہ کا اظہار افسوس**: صحابہ کرام کی پوری جماعت تقویٰ سے آراستہ،محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مزین،الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کی آئینہ دار،اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی زندہ مثال تھی،یہ حضرات خود تو نیک بلکہ نیکوں کے امام تھے ہی،نیکوں سے محبت کرنا ان کا طرۂ امتیاز تھا،جس ذات میں خیر پاتے یہ حضرات اس ذات سے دلی محبت فرماتے،تو جو ذات منبع خیر ہو،کان حیا ہو،داماد مصطفی ہو،میدان کا غازی ہو،

غریبوں، یتیموں کا حامی ہو، جس کے روزوں کی کثرت کا یہ عالم کہ لوگ انہیں ''صائم الدہر'' کا خطاب دیں بلکہ جس نے اپنے کاروان حیات کی آخری منزل روزے کی حالت میں طے کی ہو، اور روزے کی حالت میں شہادت کو گلے لگایا ہو۔ جسے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پاس ابوبکر و عمر کے ساتھ روزہ افطار کی دعوت دی ہو، جس کو شدت پیاس سے تڑپتا دیکھ کر سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عالم بالا سے آکر سیراب کیا ہو اور اس کی ٹھنڈک حضرت عثمان نے محسوس سے کی ہو۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۰، ص: ۲۹۹ تا ۳۰۰)

جب یہ امر عظیم (واقعہ شہادت) جس کی فظاعت، شناعت بیان سے باہر ہے جب واقع ہوا تو صحابہ کرام کے ہوش اڑ گئے اور انہوں نے اپنے اپنے انداز میں جذبات کا اظہار کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس واقعہ کو بہت عظیم اور اللہ کے غضب کو دعوت دینے والا قرار دیا آپ فرماتے ہیں:

اگر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل پر سارے لوگ جمع ہو جاتے، اور کوئی بھی آپ کے قتل کی مخالفت نہ کرتا، تو لوگوں پر ویسے ہی پتھروں کی بارش کر دی جاتی جیسے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر پتھر برسائے گئے اور ان کو ہلاک کر دیا گیا تھا۔

آپ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا: اگر لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون کا قصاص طلب نہ کیا تو آسمان سے پتھر برسیں گے۔

حضرت عبد اللہ بن سلام نے فرمایا: اے اللہ! میں عثمان کے معاملہ میں بری ہوں، نہ میں ان کے قتل میں شامل ہوں اور نہ ہی میں نے قتل کا حکم دیا ہے لیکن میں مظلوم رہا کہ انہیں قتل ہونے سے بچا نہ سکا۔ (طبقات ابن سعد ج ۳، ص: ۶۷ تا ۷۸)

جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خبر ملی کہ قاتلین عثمان اپنے کیے پر شرمندہ ہیں تو آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی ''كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ'' ﴿الحشر ۱۶﴾ شیطان کی کہاوت جب اس نے آدمی سے کہا کفر کر اور اس نے کفر کر لیا تو کہتا ہے کہ میں تجھ سے دور

ہوں بے شک میں رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے قاتلین کی ندامت کے بارے میں سن کر فرمایا

مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ۝۴۹ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ۝۵۰ " ﴿یٰس ۵۰﴾ وہ لوگ صرف ایک عذاب کی چیخ کے انتظار میں ہیں وہ ان کو آلیگی اور وہ جھگڑ رہے ہوں گے تو نہ وہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ سکیں گے۔

اس تناظر میں حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے آیت تلاوت فرمائی:

"قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝۱۰۳ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝۱۰۴ " ﴿الکھف ۱۰۴﴾ "اے محبوب! فرمادیجیے کیا تمہیں بتادیں کہ سب سے بڑھ کر ناقص عمل کن کے ہیں ان کے جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں گم ہوگئی اور وہ اس خیال میں ہیں کہ ہم اچھا کام کررہے ہیں۔

بعد تلاوت آپ نے دعا کی "اللّٰھم اندھم ثم خذھم" اے اللہ! انہیں رسوا کردے اور پھر ان کی گرفت فرما۔

حضرت سعد مستجاب الدعوات تھے جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے دعا قبول ہوئی لہٰذا بعض لوگوں نے قسم کھا کر ارشاد فرمایا: قاتلین عثمان میں کوئی قتل ہونے سے نہ بچ سکا۔" اور بعض نے فرمایا: ان میں سے ہر ایک مرنے سے پہلے پاگل ہوگیا تھا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱۰، ص: ۳۲۰)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس امت کا پہلا فتنہ حضرت عثمان کو قتل کرنا ہے اور آخری فتنہ دجال کا نکلنا ہوگا۔

آپ نے مزید فرمایا: جس کے دل میں حضرت عثمان کے قتل سے تھوڑی سی خوشی ہوگی تو دجال اس کا اس کی قبر تک پیچھا کرے گا۔ (ایضاص: ۳۳۱)

حضرت عثمان بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم عرش کے پاس کھڑے ہیں اور حضرت ابوبکر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا کاندھا تھامے ہوئے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر کے کاندھے پر ہاتھ رکھے ہیں اور حضرت عثمان حضرت عمر کا کاندھا پکڑے ہوئے ہیں اور ان حضرات کے سامنے خون موجود ہے، میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو مجھے بتایا گیا یہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خون ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قصاص کی فریاد کر رہا ہے۔ (ایضاص: ۳۳۹)

**فقید المثال شہادت:** حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے فقید المثال انسان ہیں، جنہوں نے طاقت وقوت کے باوجود مسلمانوں میں خوں ریزی پسند نہیں فرمائی، یہ جانتے ہوئے بھی کہ حالات حد سے آگے تجاوز کر چکے ہیں اور بلوائیوں کے تیر وتلوار کسی وقت بھی ان تک پہونچ سکتے ہیں، اپنے حامیوں میں سے کسی کو بھی لڑنے کی اجازت نہیں دی خود ظلم برداشت کرتے رہے لیکن امت رسول میں ظلم وستم کا سلسلہ دراز نہیں ہونے دیا، آخری وقت تک دیار رسول سے کوچ نہیں کیا، نہ مدینہ طیبہ میں خون کی ندیاں بہنے دیں، اور نہ ہی مکہ کی حرمت پامال ہونے دی، طاقت ہونے کے باوجود طاقت کا استعمال اپنی جان کے لیے نہ کرنا، اور شہادت قبول کر لینا، یہ صرف غلام مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کا حصہ ہو سکتا ہے۔ صلاۃ وسلام ہوں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر کہ جس کے دامن کرم سے لپٹ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ بلند مقام حاصل ہوا اور سلام ہو حضور کے عاشق صادق حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کہ پوری عمر دین کی خدمت میں گزار دی اور اپنی آخری سانس تک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے کیا ہوا وعدہ پورا کرتے رہے اور اس میں کامیاب رہے۔ آج بھی ان کی تربت پر اہل دل یہ آواز محسوس کر سکتے ہیں کہ میں اپنے نبی سے کیے ہوئے وعدے پر صبر کر رہا ہوں۔

**اولاد امجاد:** حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ۹ بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں۔

**بیٹے:** (۱) عبد الرحمٰن، یہ بنت رسول اللہ حضرت رقیہ کے فرزند تھے (۲) عبد اللہ اصغر ان کی والدہ فاختہ بنت غزوان ہیں

(۳)عمرو(۴)ابان (۵) خالد (۶) عمر، ان چاروں کی والدہ بنت جندب ہیں (۷) سعید(۸) ولید، ان دونوں کی والدہ فاطمہ بنت ولید ہیں (۹) عبدالملک، ان کی والدہ ام بنین بنت عیینہ ہیں۔

بیٹیاں (۱) مریم، ان کی والدہ بنت جندب ہیں (۲) ام سعید، ان کی والدہ فاطمہ بنت ولید ہیں (۳) عائشہ (۴) ام ابان (۵) ام عمرو، ان کی والدہ رملہ بنت تیبہ ہیں (۶) مریم، ان کی والدہ نائلہ ہیں (۷) ام البنین، ان کی والدہ ام ولد ہیں۔ (صفۃ الصفوہ ج ۱، ص: ۲۹۵)

الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ج ۳، ص: ۸۸ صاحب ریاض النضرہ نے بنت رسول کے شہزادے کا نام عبداللہ اصغر بیان کیا ہے۔

یہ تھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مختصر سیرت جسے پڑھ کر زندہ دل افراد کو تقویٰ، خشیت، سخاوت، عشق رسالت، جاں نثاری، وفا شعاری اور صبر آزمائی کا درس ملتا رہے گا، اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے صدقے ان حضرات کی سیرت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

زاہد مسجد احمدی پر درود
دولت جیش عسرت پہ لاکھوں سلام
درمنثور قرآں کی سلک بہی
زوج دو نور عفت پہ لاکھوں سلام
یعنی عثمان صاحب قمیص ہدیٰ
حلہ پوش شہادت پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ)

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وخلفائہ اجمعین۔

★★★